شوال 1435ھ

اگست 2014ء

ماہنامہ

المرشد

اللہ

رسول

محمد

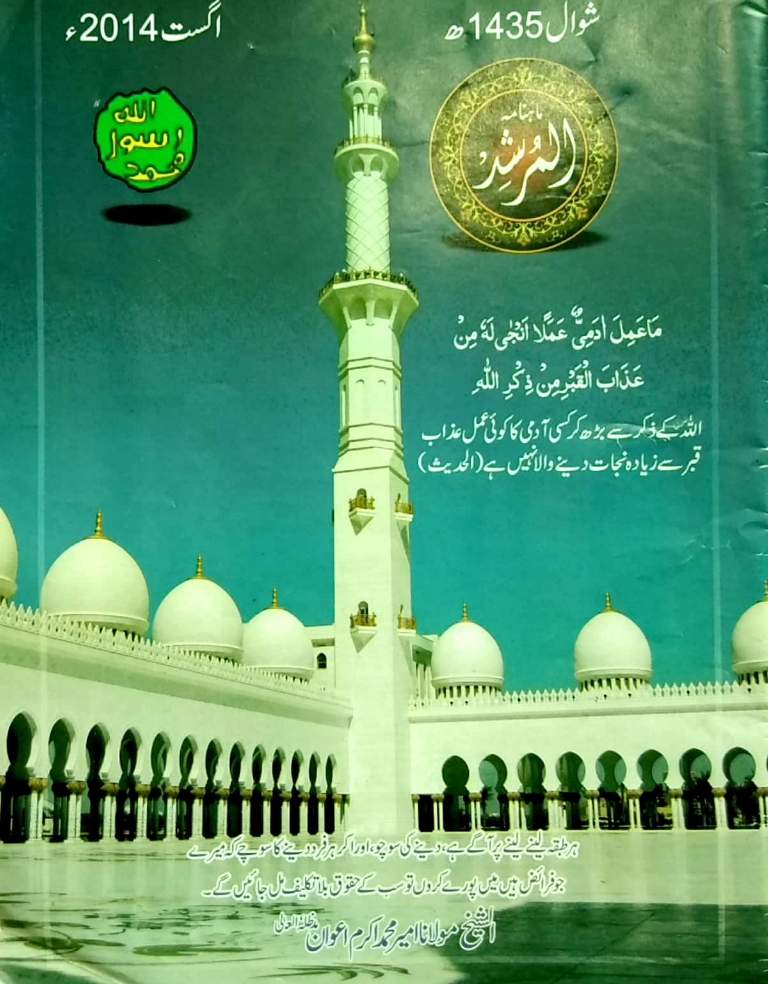

مَاعَمِلَ ادَمِیٌّ عَمَلًا اَنْجٰی لَہٗ مِنْ

عَذَابَ الْقَبْرِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

اللہ کے ذکر سے بڑھ کر کسی آدمی کا کوئی عمل عذاب

قبر سے زیادہ نجات دینے والا نہیں ہے (الحدیث)

ہر طبقہ لینے لینے پر آ گے ہے، دینے کی سوچو، اور اگر ہر فرد دینے کا سوچے کہ میرے

جو فرائض ہیں میں پورے کروں تو سب کے حقوق بلا تکلیف مل جائیں گے۔

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

تصوف

تصوف کیا ہے؟

انسانی عظمت پانے کا طریقہ وسلیقہ سیکھنا، سکھانا، تصوف ہے۔ اللہ کریم نے پیدائشی طور پر ہر انسان میں چند کمزوریاں رکھ دی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان دنیا کے حسن پر فدا ہو جاتا ہے۔ انسان کی آزمائش یہ رکھی کہ اس کمزوری کے باوجود، اپنی خواہشِ نفس کے ہوتے ہوئے وہ اللہ کی معرفت کو پانے کی طرف آئے۔ انسان اسی لیے فرشتے سے اعلیٰ مخلوق ہے کہ وہ اپنی تمام کمزوریوں پر قابو پا کر اللہ کی اطاعت کرتا ہے جبکہ فرشتہ نہ نفس رکھتا ہے نہ نفسانی خواہشات، اس کی کوئی کمزوری نہیں ہے۔

انسانی مزاج، دنیوی حالات، ماحول، یہ ساری چیزیں بندے کو متاثر کرتی ہیں اس کے کردار کو بار ہا متاثر کرتی ہیں۔ اگر معرفت الٰہی حاصل ہو تو دنیوی رکاوٹوں کا مقابلہ آسان ہو جاتا ہے۔

تصوف وہ راستہ ہے جس پر چلتے رہنے سے انسان میں طلب الٰہی کی استعداد میں اضافہ ہوتا ہے۔ بندہ تہہ دل سے یہ فیصلہ کرنے کے قابل ہوتا ہے کہ مجھے اللہ کا قرب تلاش کرنا ہے، اللہ کی رضا کو پانا ہے۔ بندہ، یہ فیصلہ سچے دل سے کرلے تو اس کی ساری کمزوریوں کے باوجود اللہ کریم اس کی ہدایت کا سامان کر دیتے ہیں۔ اسے اپنے ایسے بندوں سے ملا دیتے ہیں جو رضائے الٰہی کے حصول میں لگے ہوتے ہیں۔ ان کی صحبت میں یہ نعمت پانا آسان ہو جاتا ہے۔ اب یہ آنے والے پر ہے کہ وہ کس خلوص سے آیا اور کتنی طلب لایا! تصوف اسی انسانی عظمت کو پانے کا آسان ترین راستہ ہے۔

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اگست 2014ء شوال/1435ھ

جلد نمبر 35 شمارہ نمبر 12

مدیر: محمد اجمل

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم (اعزازی)

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
کلام شیخ	سیماب اویسی	5
اقوال شیخ	انتخاب	6
طریقۂ ذکر		7
ماہانہ بیان	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	14
اکرم التفاسیر	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	18
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	24
غزوۂ اُحد	مولانا شبلی نعمانی	28
کمال نسبت اویسیہ	نوید اشرف، واہ کینٹ	35
خواتین کا صفحہ	ام فاران، راولپنڈی	38
بچوں کا صفحہ	ع خان، لاہور	48
ساتھی جیلہ		50
The Stride towards Allah (SWT) Translated Speech	Ameer Muhmmad Akram Awan MZA	54
A LIFE ETERNAL CH:21	Abul Ahmadain Translation: Naseem Malik	57

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر عبدالقدیر اعوان

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 سٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph:042-35180381, Email:monthlyalmurshed@gmail.com

مرکزی دفتر: دارالعرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ: www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, FAX: 0543-562198 Email: darulirfan@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں اس دائرے میں اگر کراس ✕ کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے"۔

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل

تفسیر قرآن حکیم **اسرار التنزیل** سے اقتباس

وَقُلْنَا يَٰٓـَٔادَمُ ٱسْكُنْ أَنتَ .... فَتَكُونَا مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ (البقرۃ:35)

اب تربیت شروع ہوئی آدم علیہ السلام کی کہ دُنیا میں کیسے بسنا ہے اسی لئے یہ نہ فرمایا کہ اب تم جنت میں ہی رہو بلکہ فرمایا اسکُنْ ۔ بھئی ڈیرہ رکھو جنت میں، یہاں لباس استعمال کرو، کھاؤ پیئو، میاں بیوی دونوں اپنا گھر بساؤ اور طریقہ زندگی حاصل کرو یہاں تو جو بھی آتا ہے۔ پہلے بسنے والوں سے سیکھتا ہے کہ کیا کرنا ہے اور کیسے رہنا ہے مگر وہ کہ پہلے انسان تھے نیز نبی براہ راست اللہ سے تربیت حاصل کرتے ہیں فرمایا، یہاں رہو مگر دنیا دار ابتلا ہے وہاں پابندیاں بھی ہوں گی۔ لہٰذا یہاں بھی ایک پابندی ہے کہ جو چاہو کھاؤ پیو مگر اس ایک درخت کے قریب مت جانا۔ اگر ایسا کیا تو غلط کرنے والے قرار پاؤ گے ظلم ہوتا ہے وضع الشئی فی غیر محلہ۔ کسی چیز کو اصل جگہ سے ہٹا دینا۔ اسی لئے شرک سب سے بڑا ظلم ہے سو غلطی کرنے والے ہو جاؤ گے۔

اب وہ درخت کیا تھا اور کیا نہیں تھا اس کی وضاحت نہیں ملتی غالباً اس لئے کہ اس کی ضرورت نہیں۔ جو شے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے بیان نہیں کی اس میں دخل دینے سے کسی کو کیا فائدہ ہو سکے گا۔

یہ ایک امتحان بھی مقرر ہو گیا اور فی الحال رہائش کا اہتمام بھی۔ یہ قیام جنت ایسا نہ تھا جیسا بعد قیامت ہوگا وہاں تو خلود کی بشارت ساتھ ہے یہاں صرف اسکُنْ ہے کہ یہاں ٹھہر جاؤ۔ آدم علیہ السلام نے ڈیرے ڈال دیئے اور وہاں رہنا شروع کیا۔ خوب مزے سے کھاتے پیتے، سیر کرتے، مختلف جگہوں میں پھرتے کہ اور تو کوئی پابندی نہ تھی۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے یہ اجتماعی عقیدہ ہے نیز اگر نبی سے عصمت اُٹھا دی جائے۔ کسی آن، کسی لمحہ بھی تو سارا دین نا قابل اعتماد ہوتا ہے کہ نہ جانے کس کام کے کرنے کے وقت خطا صادر ہو گئی ہو۔ اس سب کے باوجود یہاں ایک غلطی کے صدور کا ذکر بھی ہے تو دیکھنا یہ ہے کہ کیا جنت دار ابتلا ہے اور جنتیوں پر جنت میں رہتے ہوئے کوئی کام منع بھی ہے ہرگز نہیں بلکہ اُن کے مزاج ایسے ہوں گے کہ فطرتاً ہر اچھا کام ہی کریں گے جیسے انبیاء دنیا میں۔ نیز جنت میں کوئی ایسا درخت بھی ہے جس کا کھانا ان کو مضر ہوگا یا وہ کڑوا کسیلا ہے یا زہر آلود ہے، ہرگز نہیں تو پھر یہ تخصیص حضرت آدم علیہ السلام ہی کے ساتھ کیوں؟ اس لئے کہ وہ بطور انعام ہمیشہ کے لئے جنت میں نہ ٹھہرائے گئے تھے بلکہ وہاں رہ کر دنیا میں آنے کی تیاری کر رہے تھے وہ مدرسہ تھا جس کا معلم خود اللہ تھا اور انہیں سکھایا جا رہا تھا کہ دنیا میں اس طرح نعمتوں کے ساتھ کچھ پابندیاں بھی ہوں گی ایک دشمن بھی تاک میں رہے گا جس کی بات آپ نے نہیں سُنی اور پھر اس کا عملی تجربہ بھی ہو گیا کہ شیطان نے انہیں دھوکہ دے لیا۔

اداریہ

14 اگست 1947

14 اگست 1947 وطنِ عزیز پاکستان کی آزادی کا دن ہے جو عوامی سطح سے سرکاری حیثیت تک احترام اور عقیدت سے منایا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس احترام اور عقیدت میں روح بھی ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس حد تک کمزور ہو چکی ہے۔ 15 جولائی 1947 کو British House of Commons میں Indian Independence Act پیش کیا گیا اور 18 جولائی 1947 کو House of Commons نے اسے پاس کیا کہ " That on 15 August 1947 two Independent, dominions would be established in India."

طے ہوا کہ 14 اگست انڈیا کی آزادی کا دن ہو اور 15 اگست پاکستان کی آزادی کا۔ مگر ہندو پنڈتوں نے 14 اگست ہندوستان کے لئے "اشبھ" دن قرار دے دیا تو 14 اگست پاکستان کی آزادی کا دن مقرر کر دیا گیا۔ سو 14 اگست 1947 کو وائسرائے ماؤنٹ بیٹن کراچی پہنچا اور دستور ساز اسمبلی کے سامنے اقتدار کی منتقلی کی دستاویز پر دستخط کیے جس کا اطلاق رات بارہ بجے ہونا تھا۔

اللہ پاک کی شان ہے کہ وہ دن جسے ہندو "اشبھ" کہہ رہے تھے مسلمانوں کے لئے کتنی برکتوں کا حامل ہے یعنی 1364 ہجری 14/15 کی درمیانی رات 27 رمضان المبارک کی بابرکت رات تھی۔ لفظ "پاکستان" جو چوہدری رحمت علی نے 28 جنوری 1933 کو اپنے کتابچہ "Now or Never" میں چھاپا تھا۔ اس لفظ کے دو حصے ہیں۔ "پاک" اور "استان"۔ "پاک" یعنی پاک اور "استان" فارسی لفظ ہے جس کے معنی جگہ کے ہیں یعنی پاک زمین۔ اور اگر بحیثیت مسلمان اس کے معنی بعید پر غور کیا جائے تو ترجمہ "مسجد" بنے گا۔

آج جب میں یہ اداریہ لکھ رہا ہوں تو یہ دن، یہ لمحہ، یہ ساعت پھر رمضان المبارک کی ہے۔ سوچتا ہوں کہ تین عشروں کی برکات بھی ہوں، اعتکاف ولیل القدر کی لذات بھی ہوں اور بندہ مومن کے لئے اسلام کا یہ فلسفہ بھی کہ جیسے سونا بھٹی چڑھ کر کھوٹ سے پاک ہو جاتا ہے ویسے ہی مومن رمضان المبارک کے مجاہدے سے گزر کر مقربین میں شامل ہو جاتا ہے۔ ذہن میں جو جواب آتا ہے وہ یہ کہ تمام حصولِ برکات کی نشانی "کردار" ہوگا کہ سوچ سے عمل تک ظاہر سے باطن تک نبی کریم ﷺ کا کتنا اتباع نصیب ہوا۔ پھر چودہ اگست ہے۔ وطنِ عزیز "پاکستان" اللہ کی کتنی بڑی عطا ہے! من حیث القوم اس ادراک کی ضرورت ہے تا کہ 14 اگست کے دن عقیدت و احترام میں ایمان کی تازگی بھی ہو ورنہ ملک کے حالات اور ہمارے کردار پر اس شعر کے علاوہ کیا تبصرہ کروں۔

جفائیں بھی ہیں، فریب بھی ہے، نمود بھی ہے، نگار بھی ہے
اور اس پہ دعویٰ حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان 'سیماب اویسی' کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر		سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدۂ تر

اپنی شاعری کے بارے میں خود لکھتے ہیں:

"مگر حق یہ ہے کہ یہ سب محض میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں، ان کا معیار کیا ہے، بلکہ یوں کہیے یہ اشعار ہیں یا نہیں، اس کی مجھے خبر نہیں اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے جتنا بھی سیکھا سب کچھ اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔ اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضانِ نظر ہے۔ اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔ اللہ کرے جو میں چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ آ سکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا"۔

فیضانِ نظر، متاعِ فقیر

غزل

زندگی کے اداس لمحوں میں
کون ساتھی قریب ہوتا ہے

نام تیرا لبوں پہ جب آئے
دل ہی میرا رقیب ہوتا ہے

جن کی آنکھیں جمال کو ترسیں
خاک ان کا نصیب ہوتا ہے!

خود فریبی بری ہی بات سہی
اس کا چسکا عجیب ہوتا ہے

عمر گزری ہے آرزو کرتے
کب ترا در نصیب ہوتا ہے

غم ہے جتنا میں دور جاتا ہوں
اس قدر ہی قریب ہوتا ہے

در کا تیرے فقیر ہے سیماب
گرچہ رسوا غریب ہوتا ہے

"دیدۂ تر" سے اقتباس

اقوالِ شیخ

1۔حقیقت یہ ہے کہ ہر بندہ مادّی آنکھوں سے صرف اس دنیا کو ہی دیکھتا ہے۔ نبی علیہ السلام وہ ہستی ہیں جو بندے کے دل کی آنکھ وا کر دیتے ہیں۔

2۔محبت کا اپنا مطالبہ، ایک اپنا تقاضا ہوتا ہے کہ محبت بندے کو نہ ہونے کے برابر کر دیتی ہے اور بندہ اپنے محبوب کے اشاروں پر ناچتا ہے۔

3۔ذکر اذکار بھلائی کے مادّے کو ابھارتے ہیں اور برائی کے عنصر کو کمزور کرتے ہیں۔

4۔علم وہ ہے جو حال کو تبدیل کر دے، جو دل پر ایک کیفیت پیدا کر دے اور یہ قوت صرف اس علم میں ہے جو اللہ کی طرف سے، رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہے۔

5۔نسبت کہتے ہیں، وہ طریقہ، دل کا وہ تعلق جس سے برکات نصیب ہوتی ہیں۔

6۔اطاعت شکر ہے اور عدمِ اطاعت ناشکری ہے اسی لیے ناشکری کو کفر کہا گیا ہے۔

7۔قرابت داروں کا یہ حق ہے کہ ان کی آمدن میں شراکت ہے تو ان کو ان کا حق پوری طرح سے ادا کیا جائے۔

8 شرک کی اصل یہ ہے کہ انسان اپنی اُمیدوں کا مرکز ہی اللہ کے سوا دوسرے کو بنا لے۔اس سے بچنا کمال ہے۔

9۔رسومات کو مذہب کے طور پر قبول نہ کرو۔ یہ اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے اور بہت بڑی جہالت ہے۔

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہوجائے۔

ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقۂ ذکر

پہلا لطیفہ۔ مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔

دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔ دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور سر پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

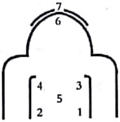

چھٹا لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ۔ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔

جب انسان کی نظر عظمتِ الٰہی پر ہو تو وہ اپنے حصے کا کام کر کے نتیجہ اللہ کریم کے سپرد کر دیتا ہے۔ اور اگر رب العالمین نظر میں نہ ہو تو اصول تجویز پر جیتا ہے۔ خود تجویز کرتا ہے کہ ایسا ہونا چاہیے، جب ایسا نہیں ہوتا تو ڈپریشن میں آجاتا ہے، پریشان ہو جاتا ہے، شکوے کرتا ہے۔ میں نے کئی لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ ہمارا پروردگار کیا کر رہا ہے۔ اللہ نے کیا کیا ہے ہم تو دھکے ہی کھاتے رہے۔ اللہ نے تو ساری کائنات تمہارے لیے پیدا کی تھی، دھکے کھا رہے ہو تو یہ تمہاری تجویز ہے، تم نے اپنے لیے دھکے پسند کر لیے تو کھاتے رہو۔ اپنی غلطی نہیں مانیں گے۔

بات بن جائے تو شان یہ تدبیر کی ہے
اور بگڑ جائے، خطا کاتب تقدیر کی ہے

جہاں غلطی ہوگئی، کہا، یہ اللہ کی مرضی۔ جہاں کچھ سنور گیا کہا، یہ میں نے سنوارا۔ ہے سب کچھ اس کا ہے۔ زندگی کو آسان کر دیار، اللہ سے مقابلہ چھوڑ دو، آسان ہو جائے گی۔ کیا ضرورت ہے مخلوق ہو کر، خالق کی نافرمانی کرنے کی۔ ایک ذرّہ بے مقدار ہو کر اس قادرِ مطلق کی نافرمانی کیوں، مقابلے میں کیوں آتے ہو؟ نہ آؤ، مزے کرو۔ جو اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے ہم نے تو انہیں کبھی پریشان نہیں دیکھا۔ مرتے بھی مزے سے ہیں، جیتے بھی مزے سے ہیں، بیمار ہوتے ہیں، مزے میں ہوتے ہیں، صحت مند ہوتے ہیں تو بھی مزے میں ہوتے ہیں کبھی پریشان نہیں دیکھا ایسے بندوں کو۔ یہ صحت بیماری، یہ طاقت یہ کمزوری، زندگی موت یہ سارا ایک پروگرام کا حصہ ہے اسے آپ کیسے ہٹا سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ جینا سیکھو بھئی، جیسے مالک رکھتا ہے ویسے رہو، الحمدللہ! موج ہو جائے گی۔

سال دو سال سے میں باہر جنگل تک بھی نہیں نکلا تھا۔ چند روز پہلے جنگل میں گئے، پہاڑوں پہ بیٹھے تھے، بڑے بڑے پہاڑ ہیں تو ساتھ باہر کا ایک دوست تھا اسے ہی سیر کرانے لے گئے، کہنے لگا، ''پہاڑ بہت بڑے بڑے ہیں'' میں نے کہا، ''اب ہو گئے ہیں۔'' ان پہاڑوں پر ہم شکار کھیلا کرتے تھے دس دس بار اوپر آتے، نیچے جاتے، ہمیں پتہ ہی نہیں لگتا تھا۔ اس وقت تو پہاڑیاں لگتی تھیں، اب پہاڑ ہو گئے اب ہم نہیں چل سکتے۔ یہ اب بڑے ہو گئے ہیں تب تو ہم بڑے تھے۔ یہ زندگی کا حصہ ہے، اس طرح ہوتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ پیدل سفر میں ایک دن، ایک رات، اگلے دن شام تک ہمیں تھکاوٹ نہیں ہوا کرتی تھی۔ ان پہاڑوں جنگلوں میں دوسری رات آتی تو جی چاہتا تھا کہ اب تھوڑا سا آرام کیا جائے۔ تو 36 گھنٹے تو ہم نے کبھی نوٹ نہیں کیے۔ اب میں صبح سوچ رہا تھا کہ یہ منبر کبھی اس دروازے کے قریب ہوتا تو مجھے اتنا نہ چلنا پڑتا۔ میں آتے ہوئے یہ سوچ رہا تھا کہ منبر تو یہاں سے ہٹایا نہیں جا سکتا کہ قبلہ رخ ہے، محراب ہے تو یہاں رکھ دیتے ناں دروازے کے ساتھ تو کتنا اچھا ہوتا، اتنا چل کے نہ آنا پڑتا۔

اس میں پریشانی کی تو کوئی بات نہیں اللہ کا نظام ہے اس میں ایسا ہوتا ہے تو یہ بندے کا انتخاب ہے۔ اللہ کریم فرماتے ہیں کہ اگر تم تفویض پہ آؤ گے، میرے سپرد کرو گے تو یاد رکھو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ (فاتحہ: 1-2) وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ ہم نے معاملہ کسی کے سپرد کر دیا اور وہ ہمیں پیس کے رکھ دے گا۔ نہیں، وہ بہت بڑا مہربان ہے۔ دنیا میں تو وہ کافر پر بھی مہربانیاں کرتا چلا جاتا ہے۔ اسے زندگی دیتا ہے، صحت دیتا ہے، اولاد

دیتا ہے، گھر دیتا ہے، حکومتیں بادشاہتیں دے دیتا ہے۔ وہ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ہے اور اگر اس کی اطاعت کرو گے تو اس کی رحیمیت پاؤ گے جو دونوں عالم پہ محیط ہے اَلرَّحْمٰنِ بروزنِ عطشان، غضبان ہے، ان اوزان پہ ہے۔ یہ اوصاف وقتی ہوتے ہیں جیسے عطشان یعنی پیاس۔ پیاس ایسی صفت ہے جو لمحاتی ہے، پانی مل گیا، پیاس بجھ گئی۔ غضبان، بہت غصے میں ہے۔ ایک کیفیت ہے جو وقتی ہے، تھوڑی دیر بعد وہ غصہ نہیں رہتا اَلرَّحْمٰنِ اسی وزن پر ہے۔ اَلرَّحْمٰنِ، بہت مہربان، مومن، کافر سب پر نعمتیں نچھاور کرنے والا۔ دنیا میں تو کافر کو بھی دے رہا ہے یار تو اس سے نااُمید کیوں ہوتا ہے! کتوں کو پال رہا ہے، خنزیروں کو پال رہا ہے، تو انسان ہو کر بندہ اپنے رب سے کیوں مایوس ہو! جو جنگل میں جانوروں کو دے رہا ہے جن کا نہ کوئی گھر ہے نہ بار، نہ کوئی حکیم نہ ڈاکٹر۔ سب سے صحت مند و توانا جنگلی جانور ہیں۔ میں نے تو ساری عمر جنگلوں میں گھوم کر دیکھا ہے، کسی جانور کو میں نے کمزور نہیں پایا۔ گھروں میں جو پالتو جانور ہیں ان سے وہ ہمیشہ تگڑے ہوتے ہیں۔ نہ انہیں کوئی چارا ڈالتا ہے، نہ انہیں کوئی Shelter دیتا ہے، نہ انہیں کوئی پانی پلانے لے جاتا ہے۔ ہم طرح طرح کے چارے اور سبزے کا اہتمام کرتے ہیں۔ پانی پلاتے ہیں، چھاؤں میں باندھتے ہیں تو بھی یہ کمزور ہوتے ہیں، جنگلی جانور صحت مند ہوتے ہیں۔ تو وہ جانوروں تک کو، چیر پھاڑ نے والوں کو، نجس جانوروں، خنزیروں تک کو پال رہا ہے، تُو انسان ہو کر مایوس کیوں ہو، کیوں اس پر بھروسہ نہیں ہے؟

وہ اَلرَّحْمٰنِ ہے۔ بہت بڑا مہربان۔ اسی دنیا میں تو اتنی وسعت ہے اس کی رحمت کی کہ نافرمان بھی مزے کر رہے ہیں لیکن یہ وقتی او رلمحاتی ہے پھر وہ الرحیم بھی ہے۔ الرحیم بروزن "الحکیم" ہے، کسی کو حکمت ودانائی نصیب ہوتی ہے تو وہ وقتی اور لمحاتی نہیں ہوتی، ہمیشہ کی صفت ہوتی ہے۔ رحیم وہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ بندۂ مومن کے لیے وہ یہاں بھی رحیم ہے وہاں بھی رحیم ہے۔ زندگی میں بھی، موت میں بھی، بعد الموت بھی۔ اگر تو، تو صرف دنیا چاہتا ہے تو اس پر اُمید رکھ اور دونوں جہان چاہتا ہے تو پھر اس سے وابستہ ہو جا۔ وہ اَلرَّحْمٰنِ بھی ہے الرحیم بھی ہے۔ اور ایک بات یاد رکھنا وہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ قیامت کا اکیلا مالک ہے، حساب کتاب خود لے گا، فیصلے خود کرے گا، کوئی دم نہیں مارے گا۔ دنیا میں نعمتیں اس نے بکھیر دی ہیں اب تیری پسند کہ تو انہیں کس طرح حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ملے گا وہی جو وہ دے گا۔ تُو صرف طریقہ اختیار کر سکتا ہے غلط کر یا صحیح کر۔ تو لارڈ کرزن نظر آنا چاہتا ہے یا محمد رسول اللہ ﷺ کا امتی دکھائی دینا چاہتا ہے۔ تو انگریز کی طرح، ہندو بنیے کی طرح سود لے کر کھانا چاہتا ہے یا تو بندۂ مومن کی طرح محنت کر کے حلال کھانا چاہتا ہے؟ تیرے پاس صرف یہ اختیار ہے۔ چوری کرے گا، سود کھائے گا تو بھی تیرے حصے میں صرف وہ ہی آئے گا جو تیرے نصیب میں ہے باقی تو چھوڑ کر مر جائے گا۔ پتہ نہیں کون کھائے گا۔ حق وانصاف کے راستے پر چلے گا تو دونوں عالم میں اجر بھی پائے گا۔ معاملہ تیرا، تیرے ہاتھ میں ہے۔ راستہ تیرے سامنے ہے۔ تو تجویز کی زندگی چاہتا ہے یا تفویض کی، تیرا اختیار ہے۔ مزہ تو اصولِ تفویض میں ہے کہ اس میں تجویز کی بھی گنجائش ہے۔ یہ نہیں کہ تم کچھ سوچ ہی نہیں سکتے۔ تم سوچو، جو چیز حاصل کرنا چاہتے ہو اس کے لیے محنت کرو، شرط یہ ہے کہ وہ چیز تمہارے لیے شرعاً حلال ہو اور اس کے حاصل کرنے کا طریقہ شرعاً جائز ہو۔ پھر اگر مل جائے، الحمدللہ! اور اگر نہ ملے تو تم الحمدللہ! کہ اس کا ملنا تمہارے لیے نقصان دہ ہوگا، اس کے بدلے اللہ نے تمہیں کچھ اور دے دیا ہوگا۔ یوں زندگی مزے سے بسر ہو جاتی ہے۔ کیوں پریشان ہوتے ہو، کیوں Depress ہوتے ہو۔ بندہ ڈپریس اس لیے ہوتا ہے کہ بڑی بڑی چٹانیں اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیتا ہے تو اس کو پسنا ہی ہے تو پھر وہ کہتا ہے مجھ پہ بوجھ ہے۔ بوجھ تم نے خود لادا ہوا ہے بوجھ تو ہوگا۔ جو چیز جہاں نظر آتی ہے وہ اٹھا کر سر پر رکھ لیتا ہے۔ جوتا کسی کا ہے، کپڑا کسی کا ہے، بستر کسی کا ہے، گٹھڑ باندھ کر تم نے سر پر رکھا ہوا ہے۔ یار تُو کیوں اپنے آپ کو مار رہا ہے؟ اپنی چیزیں لے، تیرے مقدر کی تجھے از خود مل جائیں گی۔ کوئی ایک دانہ جو میرے وجود کے لیے مقرر ہے وہ دوسرا بندہ نہیں

کھا سکتا۔ کوئی ایک دانہ جو دوسرے وجود کا حصہ ہے وہ میں نہیں لے سکتا تو پھر کیا فائدہ؟ دوسروں کی چیزوں کے بارے سوچنے کا کہ یہ ہو جائے وہ ہو جائے۔ یار تو کب تک یہ کرے گا۔

تو نہیں تھا، کائنات چل رہی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک ساتھی کا خط آیا۔ حضرت جیؒ کے نام آیا کہ جناب میں بڑا مجاہدہ کرتا ہوں، لطائف پہ بڑا وقت لگاتا ہوں، مراقبات بھی کرتا ہوں لیکن میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ حضرتؒ نے پڑھا، مسکرائے اور مجھے بلایا۔ فرمایا! ادھر آؤ یہ خط تمہارے لیے ہے۔ اس کا جواب تم ہی دو۔ میں نے عرض کی ٹھیک ہے جی۔ میں نے جواب اسے لکھا کہ جب تو نہیں تھا تو یہ ساری کائنات چل رہی تھی، تیرے مشورے کے بغیر چل رہی تھی۔ کل تُو مرجائے گا تیرا مشورہ کہاں ہوگا۔ تو یہ چند روز تُو ہے تو دخل اندازی کا نہ سوچ، اسے چلانے دے۔ تو دعا کے بعد کہتا ہے یہ کام ایسے نہ ہوا اور ایسے ہو جائے تو یہ سوچنا چھوڑ دے۔ بھئی جب پہلے بھی وہ ہی چلا رہا ہے بعد میں بھی اس اکیلے نے کائنات چلانی ہے تو تیرے پاس چند دن ہیں تو دخل اندازی کی جرأت کیوں کرتا ہے۔ حضرتؒ بڑے خوش ہوئے کہنے لگے "پڑھ کر ٹھنڈا ہو جائے گا، تسلی ہو جائے گی۔" یوں انسان اپنے لیے خود بوجھ سیٹ کر رکھتا رہتا ہے۔ انسان کو نہ لمبی تقریروں کی ضرورت ہے نہ لمبے جلسوں کی۔ اگر ہم اپنے حق پہ قناعت کریں، حکمرانوں کو حکومتیں بھی مل جائیں، اس کی تقسیم ہے۔ اس نے کسی کے حصے میں حکومتیں لکھ دی ہیں، کسی کے حصے رعیت لکھ دیا ہے۔ کسی کو دولت مند بنا کر مالدار کا نام دے دیا ہے یا کسی کو غریب بنا کر مزدور کا نام دے دیا ہے۔ یہ سب کچھ ملتا نصیب سے ہے اور جب وہ کسی کی آزمائش چاہتا ہے تو اقتدار، دولت، بے شمار چیزیں دے دیتا ہے۔ کسی کی آزمائش میں مفلسی، غریبی، بیماری دے دیتا ہے کہ وہ اقتدار و اختیار میں میری حدود کا لحاظ کرتا ہے یا نہیں یا غریبی اور کمزوری میں میرے در پہ رہتا ہے یا مجھے چھوڑ کر دوسروں کے در پر جبہ سائی کرنے لگ جاتا ہے۔

انسان پر جب آزمائش ڈالتا ہے۔ تو اس پر مہربانیاں کرتا ہے۔ عزت دے دیتا ہے، نعمتیں دے دیتا ہے کسی کی آزمائش میں اسے غربت، مفلسی، رزق کی تنگی دے دیتا ہے۔ آزمانا دونوں طرح سے مقصود ہوتا ہے کہ یہ میری حدود میں رہتا ہے یا بغاوت کرتا ہے۔ کوئی غربت سے تنگ آ کر دوسروں کو سجدے کرنے لگ جاتا ہے، کوئی دولت کی فراوانی سے متکبر ہو کر اللہ کی حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ کاش! حکمران بھی اللہ کو مان لیں! زندگی ایک اصول پر استوار ہے۔ زندگی کا اور خوشیوں کا ایک اصول ہے کہ کچھ دو۔ جس معاشرے میں ہو اس معاشرے کو آپ نے کیا دیا، جس خاندان میں ہو اس خاندان کو آپ نے کیا دیا، جس ملک میں ہو اس ملک کو آپ نے کیا دیا، جس قوم میں ہو اس قوم کو آپ نے کیا دیا، جس گھر میں ہو اس گھر کو آپ نے کیا دیا، والدین کو کیا دیا، اولاد کو کیا دیا۔ زندگی کا اصول دینا ہے۔ سورج نکلتا ہے تو روشنی اور تپش دیتا ہے، چاند نکلتا ہے تو روشنی اور ٹھنڈک دیتا ہے۔ ہوا چلتی ہے تو حیات دیتی ہے۔ بارش برستی ہے تو حیات دیتی ہے۔ زندگی دینے پر استوار ہے۔ اپنے وجود کو دیکھ لیں، دل پورے بدن کو خون دیتا ہے۔ اب اگر ہاتھ تک پہنچ گیا، یہاں سے آپ روک دیں کہ آگے خون نہیں جانے دیں گے تو اگلا ہاتھ مردہ ہو جائے گا، ختم ہو جائے گا۔ جہاں دینا رک جائے گا وہاں زندگی رک جائے گی، بدن گل سڑ جائے گا۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم دینا بھول گئے ہیں اور لینا سیکھ گئے ہیں کہ مجھے کیا ملے گا۔ خدا کے بندے جب تو دینے پہ آئے گا، دوسرا ساتھی بھی دے گا، جب سارا معاشرہ دینے پہ لگ جائے گا تو میرے دینے سے دوسرے کو حقوق مل جائیں گے، اس کا دینا میرے حقوق ہیں مجھے از خود مل جائیں گے۔ اس لیے شریعت نے دینے میں کوئی رعایت نہیں کی جو آپ نے دینا ہے وہ ہر حال میں دینا ہے، جو آپ نے لینا ہے اس میں آپ کو اختیار ہے کہ آپ آدھا معاف کر دیں، آپ سارا معاف کر دیں۔ لینے پر شریعت نے اصرار نہیں کیا۔ آپ نے کسی سے سو روپے لینا ہے آپ اسے کہیں مجھے دس دے دو باقی معاف کر دیا،

ٹھیک ہے۔ آپ کہیں میں نے سو ہی معاف کیا ٹھیک ہے۔ لیکن آپ نے سو دینا ہے تو آپ کو سو ہی دینا ہوگا، آپ ننانوے نہیں کر سکتے۔ ہم نے جو دینا ہے بچوں کو، بیویوں کو، گھر کو، والدین کو، رشتہ داروں کو، محلے داروں کو، شہر والوں کو، ملک والوں کو، قوم کو، کیا وہ دے رہے ہیں؟ میں نے دینا نہیں سیکھا تو ساتھ والا بھی نہیں دے گا، دوسرا بھی نہیں دے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو ہم نے لینا ہے وہ بھی وہیں رک جائے گا۔ حقوق کے لیے روز جلوس نکلتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے حقوق تو تمہیں یاد ہیں اور فرائض کہاں گئے؟ پورے معاشرے میں کسی ایک طبقے کا حق کسی دوسرے طبقے کا فرض ہوتا ہے۔ اگر ایک طبقے کو حق نہیں مل رہا تو اس کا مطلب ہے دوسرا طبقہ اپنے فرائض ادا نہیں کر رہا۔ اور یہ جو ہڑتال کر کے سڑک پر چلے جاتے ہیں یہ اپنا فرض بھول نہیں جاتے؟ ڈاکٹر ہڑتال کرتے ہیں تو مریضوں کا حال کیا ہوتا ہے، ٹیچر ہڑتال کرتے ہیں تو بچوں کا کیا حشر ہوتا ہے، کلرک ہڑتال کرتے ہیں تو جو غریب کام کے لیے جاتے ہیں ان کا کیا ہوتا ہے، وکیل ہڑتال کرتے ہیں تو جن غریبوں سے فیس لی ہوتی ہے ان کا کیا حشر ہوتا ہے؟ یار ہر طبقہ لینے لینے پر آگے ہے، دینے کی سوچو۔ اور اگر ہر فرد دینے کا سوچے کہ میرے جو فرائض ہیں میں پورے کروں تو سب کے حقوق بلا تکلف مل جائیں گے۔ جب سب لینے پہ آ جائیں تو کسی کو کچھ نہیں ملتا۔ شور شرابا، دھکم پیل، مار پیٹ، پولیس کے ڈنڈے، ہوائی فائرنگ اور آنسو گیس کے شیل، یہی ملتا ہے اور کچھ نہیں ملتا۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ کہا جاتا ہے الناس علی دین ملو کھم (حدیث مرفوع) کہ لوگ بادشاہوں کے انداز پہ مرتے ہیں اور انہیں کی پیروی کرتے ہیں۔ ہماری تو بدنصیبی یہ ہے کہ ہمارے تو حکمران بھی پیدائشی مفلس ہیں، ان کی بھوک مٹتی ہی نہیں۔ فلاں منصوبہ بنا دو وہ اسی میں مصروف ہیں کہ اس سے ہمیں کتنا کمیشن ملے گا اور اللہ کے بندو! اللہ نے تمہیں پورے ملک کی حکومت دی ہے تمہارے پاس دولت اتنی ہے کہ تم خود گن نہیں سکتے اور تم سارے سود خور ہو، سارے حرام خور ہو، کھربوں روپے ہیں۔ اس پر کھربوں روپے سود بھی لے رہے ہو ظالمو! اتنی دولت پر پھر سود! حرام کیوں لیتے ہو؟ یہ اس لیے لیتے ہیں کہ اللہ کے اور آخرت کے قائل نہیں ہیں۔ چوری اسی لیے کی جاتی ہے نا کہ مالک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ یہ تو تب پتا چلے گا جب وہاں پہنچیں گے۔ اس کے علاوہ ایسے ایسے منصوبے بناتے ہیں کہ جس میں زیادہ سے زیادہ مالی فائدہ انہیں خود ہو۔ جیسے بس چلانی ہے تو اتنے شہر گرا دو، اتنے پل، اس میں ہے کیا؟ بسوں سے بھی کمیشن ملے گا، اس کام کے ٹھیکیداروں سے بھی کمیشن ملے گا۔ ورنہ یہی دو کھرب روپیہ بجلی بنانے میں ڈال دو تو عوام کی زندگی کی گاڑی چلتی رہے۔ یہی دو کھرب روپیہ پٹرول اور ڈیزل میں ڈال دو تو لوگوں کی زندگی آسان ہو جائے۔ سو کے بجائے پچاس کا کر دو۔ ریل بعد میں بنا لینا پہلے جو پہلی ضرورت ہے وہ تو کر لو۔ ایک بندہ مر رہا ہے آپ کہتے ہو اس کے ناخن کتر دوں، اس کی پلکیں سنوار دوں اس کو کاجل لگا دوں۔ اللہ کے بندے پہلے اس کو گھونٹ پانی کا دے، اسے کوئی دوائی دے، کوئی انجکشن لگا، زندگی بچ گئی تو یہ کام ہو جائیں گے اور مر گیا تو یہ سارا بناؤ سنوار کس کام کا۔ قوم مریض ہو گئی ہے، تم ڈاکٹر بنے ہوئے ہو۔ تم کہتے ہو اس کے ناخن اتار دوں اس کا مجھے کمیشن ملے گا اس کے بالوں میں کنگھی کر دوں اس کے مجھے پیسے ملیں گے۔ قوم مر رہی ہے اس کو پہلے کوئی پانی کا گھونٹ دو، زندگی کی جو ضرورتیں ہیں وہ قوم کو پہلے فراہم کرو۔ حکمرانو! یہ اللہ کی مخلوق ہے، یہ مسلمان ہیں، یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی امت ہے۔ تمہیں ایک ایک بندے کے ساتھ جواب دہ ہونا پڑے گا، کیا کرو گے۔ یہ بلٹ پروف گاڑیاں ملک الموت کو نہیں روک سکتیں، یہ گارڈ، یہ سپاہ اور یہ فوج، یہ ملک الموت کو نہیں روکے گی۔ اللہ کے بندو! یہ اکیس کروڑ بندہ تمہارے رحم و کرم پر ہے۔ ان کی ضرورتوں کا خیال کرو۔ پہلے انہیں زندگی بچانے کے وسائل دو تا کہ زندہ رہیں۔ زندہ رہیں گے تو لباس بھی ڈھل جائے گا، کپڑے بھی ڈھل جائیں گے جوتے بھی نئے آ جائیں گے، بالوں میں کنگھی ہو جائے گی۔ وہ مر رہے ہیں اور تم کہتے ہو ہم ذرا اس کے کپڑے بدل دیں اس لیے کہ کپڑے منگانے بنانے سلانے میں

تمہیں کمیشن ملے گا۔ کوئی مرتا ہے تو مرتا رہے تمہاری بلا سے۔ یہ کون سا انصاف ہے۔ پتہ ہے یہ کیوں ہے؟ مجھے کیا ملے گا، وغیرہ یہ لینے میں ہے۔ حکومت ملنے کے بعد پھر بھی یہی دیکھتے ہیں یہاں سے مجھے کیا ملتا ہے۔ یار کچھ دینے کی کوشش کرو یہ دیکھو کہ تم قوم کو کیا دے سکتے ہو۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم بھی لینے پہ آئے ہوئے ہیں۔ یہ مرض اوپر چلا گیا ہے۔ ہر کوئی کہتا ہے میں بھی لے لوں، میں بھی لوٹ لوں۔ ہم دینے پہ آجائیں کہ ہم نے قوم کو کیا دیا، ملک کو کیا دیا۔ اتنی زندگی گزار دی میں نے اولاد کو کیا دیا، قوم کے اتنے افراد کو کیا دیا، ملک کو کیا دیا، میں کیا دے سکتا ہوں۔ ہر بندہ یہ سوچ لے کہ میں جو دے سکتا ہوں، دوں تو سب کی زندگی آسان ہو جائے پھر شاید حکمران بھی یہ سوچنے لگیں کہ مجھے پانچ سال ملے ہیں میں نے پانچ سالوں میں پبلک کو کیا دیا، ملک کو کیا دیا، قوم کو کیا دیا؟ تو شاید حالات بہتر ہو جائیں ابھی تو ہم بھی لینے کی ہوس میں ہیں اور صدر اور وزیر اعظم بھی لینے کی سوچ رہے ہیں کہ کس سودے سے مجھے کیا ملے گا اور اس سے مجھے کیا ملے گا! ہم حکمرانوں کا شکوہ تو تب کریں جب ہم دے رہے ہوں۔ جب ہم بھی لینے کے ہی لالچ میں ہیں تو شکوہ کس بات کا۔ وہ بھی لوٹنے کے لالچ میں ہیں تو ٹھیک ہے۔ لیکن اللہ کا نظام بڑا مزیدار ہے، اٹل ہے اور ماننے والوں کے لیے بہت پُر کیف ہے۔

میلوں تک آگ جل رہی تھی۔ نمرود نے میلوں تک اتنا بڑا الاؤ جلایا کہ خود ان کے لیے محال ہو گیا کہ ابراہیمؑ کو اس میں کیسے پھینکیں کیونکہ سینکڑوں گز دور تک آگ کی حدت پہنچ رہی تھی۔ کوئی قریب نہیں آسکتا تھا۔ ابلیس نے انہیں سکھایا کہ بڑے لمبے لمبے گھاس کے رسے بُنو اور ایک پینگ سی بناؤ۔ بڑے اونچے اونچے مینار بنا کر اس میں وہ پینگ لگاؤ اور ایسی گرہ دو جو کھولی جا سکے۔ ابراہیمؑ کو اس میں لٹا کر جھولا دو جب یہ آگ کی طرف جائیں پیچھے سے گرہیں کھول دو تو یہ خود بخود آگ میں جا گریں گے۔ انہوں نے وہ سارا انتظام کر لیا پنگھوڑے میں لٹا دیا تو یہ منظر جب آسمانی مخلوق نے اور فرشتوں نے دیکھا تو چلا اٹھے۔

مفسرین کرام اس بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ چلا اٹھے بار الٰہا! تیرا خلیلؑ، تیرا محبوب بندہ اور یہ کافر منکر۔ یہ اس کو وہ سزا دے رہے ہیں جو دینا صرف تیرا حق ہے۔ آگ میں جلانا صرف اللہ کا کام ہے۔ آپ کسی کو آگ میں زندہ نہیں جلا سکتے کوئی کسی کو نہیں کسی کو جلا سکتا۔ ویسے اب تو آسان ہو گیا ہے ناشوہر بیویوں کو جلا دیتے ہیں یہ انتہائی ظلم ہے۔ کوئی حکمران، کوئی بادشاہِ وقت بھی کسی کو آگ میں زندہ جلانے کا حکم نہیں دے سکتا۔ یہ حق صرف اللہ کا ہے۔ اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ انہی فرشتوں نے کہا تھا کہ کیوں نئی مخلوق پیدا کرتا ہے، فساد پیدا کرے گی۔ اب بھی چیخ رہے ہیں۔ فرمایا جبرائیلؑ امین سے کہو کہ جاؤ میرے بندے ابراہیمؑ سے پوچھ لو اگر وہ کہتا ہے تو تم اس کی مدد کرو۔ آگ بجھا دو، اسے اٹھا لو جو جی چاہے کرو لیکن اس سے پوچھو۔ کفار جب جھولے کو ہلکورے دے رہے ہیں آہستہ آہستہ، پھینکنا چاہ رہے ہیں تو جبرائیل امین حاضر ہو کر کہتے ہیں۔ آپ اجازت دیں تو میں اس آگ کو بجھا دوں، ان کافروں کو تباہ کر دوں اور آپؑ کو یہاں سے نکال لوں؟ آپؑ نے جبرائیلؑ سے فرمایا، آپ نے یہ منظر دیکھا؟ جی دیکھا۔ اللہ کریم دیکھ رہے ہیں؟ جی دیکھ رہے ہیں۔ فرمایا، جب میرا خالق و مالک دیکھ رہا ہے اور بچانے پر قادر بھی ہے تو پھر آپ کیوں تکلف کرتے ہیں۔ جب وہ دیکھ بھی رہا ہے، جانتا بھی ہے، بچا بھی سکتا ہے تو پھر مجھے اور اس کو رہنے دے، تیرے درمیان میں آنے کی کیا ضرورت ہے؟ فرشتوں کو بھی پتہ چلا کہ یہ مخلوق ان لوگوں کے لیے پیدا کی گئی۔ اس میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ہمیں بھی مات کر دیا۔ اب وہ بے نیاز ہے، اس نے نہ آگ بجھائی نہ پنگھوڑا روکا بلکہ جب انہوں نے پنگھوڑے کے پیچھے گرہیں کھول دیں تو آگ کو حکم دیا: قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (الانبیاء:69) آگ تو ہمیشہ جلاتی رہی ہے اور جلاتی رہے گی لیکن اپنا وصف بدل لے ابراہیمؑ کے لیے سلامتی بن جا۔ اور یاد رکھیں! علماء حضرات اس پر غور کریں یہ حکم آگ کو ہے قُلْنَا يٰنَارُ آگ کو حکم ہے کہ ابراہیمؑ کے لیے اپنی خاصیت بدل دے۔ بادِ بہاری بن جا۔ شعلے جلتے رہیں، لپٹیں اٹھتی

رہیں، آگ جلتی رہے، لکڑیاں جلتی رہیں لیکن ابراہیمؑ کے لیے نسیم سحر بن جا، باد بہاری بن جا۔ یہ جو علماء فرماتے ہیں کہ آگ کو حکم دیا اور آگ بجھ گئی۔ لیکن ایسا کہنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ آگ بجھ گئی تو پھر وہ آگ تو نہ رہی۔ حکم آگ کو دیا گیا ہے یٰنَارُ اے آگ۔ کُوْنِیْ بَرْدًا و ساری عمر جلاتی رہی ہے آج ذرا مزیدار ٹھنڈی ہو جا۔ کس کے لیے ابراہیمؑ کے لیے وَ سَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ والی، اتنی ٹھنڈی بھی نہیں کہ باعث تکلیف ہو جائے بلکہ ابراہیمؑ کے لیے باد بہاری بن جا۔ شعلوں کی لپٹیں اٹھتی رہیں، آگ جلتی رہی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لئے باعث راحت بن گئی۔ ابراہیمؑ آگ میں گئے تو انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے کسی گلستان میں آ گئے ہوں۔ ہر طرف پھول ہی پھول ہیں، خوشبو ہی خوشبو ہے، ٹھنڈ ہی ٹھنڈ ہے۔ روح افزاء ماحول ہے اور خوبصورت موسم ہے۔ وہ مزے سے چلتے ہوئے باہر نکل گئے، گھر پہنچ گئے، وہاں سے ہجرت بھی کر گئے۔ نمرود آگ کو دیکھتا رہا کہ جل کر راکھ ہو گئے ہوں گے۔ ڈیڑھ، دو مہینے آگ جلتی رہی، شعلے اٹھتے رہے، دھواں اٹھتا رہا، نمرود اس خوش فہمی میں رہا کہ جل گئے ہوں گے لیکن آپؑ ہجرت کر کے اس کی حکومت کی، سلطنت کی حدود سے باہر بھی پہنچ گئے۔ اور یہ جو اکثر نے لکھا ہے نا کہ آگ بجھ گئی۔ مجھے یہ بات پسند نہیں آئی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آگ، آگ ہی رہی اور ابراہیمؑ کے لیے باد بہاری بن گئی کیونکہ حکم آگ کو دیا جا رہا ہے یٰنَارُ اے آگ! اگر آگ بجھ گئی تو آگ ہی نہ رہی تو پھر تعمیل ارشاد کیسے ہوئی! وہ قادر ہے، میرے بھائی ایک ابراہیمؑ کے لیے آگ میں گلستان بنا دیتا ہے۔ آج ایک بندہ بھی اگر طریقہ تفویض اختیار کر لے تو اس کے لیے بھی دنیا کو جنت بنا دے گا۔

ہم کہتے ہیں کہ سارے نہیں کرتے۔ میں ایک کروں گا تو کیا ہو جائے گا؟ وہ بڑا کریم ہے۔ اگر سارے نہیں کرتے تو نہ کریں جو ایک اس کی اطاعت کا راستہ اختیار کرے گا اس ایک سے پریشانیاں بھی دور ہو جائیں گی اور زندگی بھی پُر لطف ہو جائے گی۔ موت بھی پُر لطف اور مابعد الموت بھی۔ لہٰذا اس میں نہ رہیں کہ سب کریں گے تو میں کروں گا۔

اپنا فیصلہ خود کیجیے اور فوراً! اصول تفویض اختیار کیجیے۔ زندگی مزے میں گذرے گی۔

وَ اٰخِرُ دَعْوٰنَآ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

***

دعائے مغفرت

(1) سرگودھا، بھیرہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی گل شیر

(2) جڑانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی عابد علی ولد ڈاکٹر منظور حسین

(3) چیچہ وطنی سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد اکرم کی والدہ محترمہ

(4) ساہیوال سے سلسلہ عالیہ کے ضلعی کے امیر کے والد محترم

(5) لکی مروت سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی مولانا شاہد نور کی والدہ محترمہ

(6) خانیوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر عابد حسین کی زوجہ محترمہ

(7) تراڑکھل آزاد کشمیر سے سلسلہ عالیہ کے صاحب مجاز جناب یوسف حمید صاحب کے والد محترم

(8) صقارہ اکیڈمی دارالعرفان منارہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی رانا اشفاق کی والدہ محترمہ

(9) لاہور سے سلسلہ عالیہ کے صاحب مجاز اور امیر ضلع لاہور جناب خالد محمود چشتی صاحب کی خواہر نسبتی فریدہ۔

(10) ملتان سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی شیراز صاحب کے والد محترم وفات پا گئے ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست کی جاتی ہے۔

ضرورت رشتہ

لڑکی عمر تقریباً 27 سال، تعلیم M.Phil، سمارٹ، لیکچرار گورنمنٹ کالج، اعوان فیملی، سلسلہ عالیہ کے ساتھیوں کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ نمبر

0321-5857821

0347-3170127

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک

شیخ المکرم حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

سورۃ حجر/سورۃ النحل

قیامت تک لعنت ابلیس کے انقطاع پر استدلال کا ابطال:

قولہ تعالیٰ: وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ حجر:35

ترجمہ: اور بے شک تم پر لعنت رہے گی قیامت کے دن تک۔

''بعض نے جہل سے اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ سے استدلال کیا ہے کہ اس کے بعد ملعون نہ رہے گا جواب یہ ہے کہ مراد اس سے تابید ہے کیونکہ جب دار العمل ہی میں مقبول نہ ہوا تو دار الجزاء میں کیسے مقبول ہوگا''

فرمایا بعض نے یہ دلیل کی ہے کہ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ کہ قیامت تک تجھ پر لعنت ہے تو شیطان پر قیامت تک لعنت رہے گی۔ قیامت قائم ہوگی تو شائد اس پر لعنت نہیں رہے گی۔ فرماتے ہیں یہ غلط دلیل ہے۔ جب دارِ دنیا میں ساری عمر ملعون رہا تو دارِ آخرت میں لعنت سے کیسے بچ جائے گا۔ تو جو دنیا میں ملعون ہوتے ہیں وہ آخرت میں بھی نہیں بچتے تو فرمایا اللہ نے اس پر قیامت تک لعنت کر دی۔ دارِ آخرت جو ہے وہ دنیا کے حالات کا ثمر اور پھل ہے۔ جب دنیا میں ہمیشہ قیامت قائم ہونے تک ملعون رہا تو قیامت قائم ہونے سے اس سے لعنت کیسے ہٹ جائے گی؟ بات تو اسی پر ہے جو دنیا میں اس نے زندگی گزاری ثمرات تو اسی پر مرتب ہوں گے۔

خوف ورجاء کی تعدیل:

قولہ تعالیٰ: نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ حجر:49

ترجمہ: آپ میرے بندوں کو اطلاع دے دیجئے کہ میں بڑا مغفرت اور رحمت والا بھی ہوں اور یہ کہ میری سزا دردناک سزا ہے۔

''اس میں طریق ارشاد کی تعلیم ہے کہ اسی طرح خوف ورجاء سے تربیت کرنا چاہیے کیونکہ رجاء محض سے تعطل وخوف محض سے قنوط محتمل ہے۔

فرماتے ہیں کہ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بندوں کو میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بتا دیجئے کہ میں بڑا معاف کرنے والا ہوں بڑا رحم کرنے والا ہوں اور میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔ فرماتے ہیں تبلیغ کا طریق یہ ہونا چاہیے کہ نا امید نہیں کرنا چاہیے کہ محض عذاب، عذاب، عذاب جیسے کسی نے کتاب ''موت کا منظر'' لکھ دی ہے تو بندوں کو انتہائی خوفزدہ کر دیا، یہ بھی نہیں چاہیے اور یہ بھی نہیں چاہیے کہ صرف رحمت باری کا ذکر کرتے رہیں بلکہ دونوں باتیں بتانی چاہئیں۔ اللہ بڑا غفور رحیم ہے جتنی بھی غلطیاں کر چکے ہو اس کے بعد واپس آ جاؤ وہ بخش دے گا وہ بخشنے والا ہے اور یہی بتانا چاہیے کہ پھر نہیں آؤ گے تو پھر اس کی سزائیں بھی بڑی سخت ہیں۔ تو فرمایا طریق تبلیغ یہ ہے کہ بیم ورجاء امید اور خوف دونوں ساتھ ساتھ چلنے چاہئیں۔

اہل اللہ کا حسنِ انتظام:

قولہ تعالیٰ: قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ حجر:57

ترجمہ: فرمانے لگے کہ تو اب تم کو کیا مہم درپیش ہے اے فرشتو۔

''وجہ اس سوال کی یہ تھی کہ معمولی وسرسری کام کے لیے مجمع کو نہیں بھیجا جاتا اور حق تعالیٰ بندوں کے ساتھ ان ہی کی عادات کے موافق معاملہ فرماتے ہیں۔ اس رعایت سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ ہر کام میں انتظام مناسب امر مستحسن ہے اور یہ اہل اللہ کی عادات طبعیہ سے ہو جاتا ہے۔''

فرماتے ہیں ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ بھئی کیا

کوئی اہم مہم درپیش ہے کہ تم اتنے اکٹھے ہو کر آ گئے ہو۔ تو فرماتے ہیں اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ کسی کام کو کرنے کے لیے اس کا انتظام و انصرام کرنا چاہیے اور یہ اہل اللہ کی عادت ہے۔ یہ رویہ درست نہیں کہ چھوڑ دی کام خود بخود ہو جائیں گے اس کا انتظام و انصرام کرنا چاہیے اور جائز وسائل استعمال کرنا ہی توکل ہے۔

معاصی کے مجمعوں کی طرف نظر کرنے کا قبح:

قولہ تعالیٰ: وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ حجر:65

ترجمہ: اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے۔

"اس سے معلوم ہوا کہ آثار غضب اور مغضوبین کی طرف تفریح کے طور پر بھی نہ دیکھے اور اس میں لہو و منکر کفری یا بدعی کے مجمع بھی داخل ہو گئے۔"

فرمایا لوطؑ کو فرشتوں نے کہا کہ سحری کو نکل جانا تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ پتھروں کی بارش ہو گی، زمین الٹ دی جائے گی، شور واویلا کریں گے لیکن آپ اپنا سفر جاری رکھیے مڑ کر پیچھے نہ دیکھیے۔ فرمایا اس میں دلیل ہے کہ بدکاری برائی اور برے لوگوں کی طرف دیکھنا بھی گناہ ہے۔ دیکھنا بھی ایک برائی ہے۔ اس طرف نظر بھی نہیں کرنی چاہیے۔

فراست کی اصل:

قولہ تعالیٰ: إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ حجر:75

ترجمہ: اس واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں اہل بصیرت کے لیے

"حدیث ترمذی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اتقو فراسة المومن فانه ينظر بنور الله اور پھر یہ آیت تلاوت فرمائی تو اس بناء پر یہ آیت اصل ہے فراست کی اور اس میں ادراک عقلی و کشفی وغیرہ سب آ گیا اور اس سے ان سب طریق کی قطعیت لازم نہیں آتی جیسا إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لقوم يتفكرون یا يعقلون سے مطلقاً عقل و فکر کی قطعیت لازم نہیں آتی۔ مقصود صرف یہ بتلانا ہے کہ یہ طرق نافع ہیں حدود شرعیہ کی رعایت سے ان سے کام لیا جاوے۔"

یہ جو ارشاد ہے کہ اس میں اہل بصیرت کے لیے کئی نشانیاں ہیں فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کی شرح فرمائی وہ یہ ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے تو فرمایا اہل اللہ کو ایسی بصیرت اللہ دے دیتا ہے کہ بعض اوقات وہ چیزیں الہامی طور پر یا وجدانی طور پر جان لیتے ہیں۔ بعض اوقات عقلی طور پر سمجھ لیتے ہیں یہ بھی اللہ کی طرف سے ہوتا ہے۔

بعض اخلاق:

قولہ تعالیٰ: فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ حجر:85

ترجمہ: سو آپ خوبی کے ساتھ درگزر کیجیے۔

"اس میں بعض اخلاق کی تعلیم ہے۔"

فرمایا اخلاق ایسے ہونے چاہئیں کہ بڑے اچھے طریقے سے درگزر کرو یعنی ایسی باتیں جو قابل برداشت ہوں اور شرعی حرمت ان پر واجب نہ ہوئی ہو معمولی باتیں اپنی ذات کے بارے کوئی کچھ کہہ دیتا ہے تو اس سے درگزر کرنا بہت اچھی بات ہے لیکن وہی شخص اگر حضور ﷺ کی توہین کرتا ہے تو اس میں درگزر نہیں کی جائے گی۔

اظہار حق میں صفائی:

قولہ تعالیٰ: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ حجر:94

ترجمہ: سو آپ کو جس بات کا حکم کیا گیا ہے اس کو صاف صاف سنا دیجیے۔

"اس میں دلالت ہے کہ حق بات کو بہت صفائی سے کہنا چاہیے۔"

حق سیدھا سیدھا اور صاف کہنا چاہیے اس میں لگی لپٹی نہیں کہنی چاہیے۔

ذکر کا غم کے لیے علاج ہونا

قولہُ تعالیٰ: وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ حجر: 97-98

ترجمہ: اور واقعی ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ تنگ دل ہوتے ہیں تو آپ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہیں اور نمازیں پڑھنے والوں میں رہیے) اس میں غم و ضیق کا علاج بتلایا گیا ہے کہ ذکر و توجہ الی الحق ہے۔"

فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کفار جو باتیں کرتے ہیں اس سے آپ کے دل پر بڑی تنگی اور آپ کو بہت دکھ ہوتا ہے تو آپ اللہ کا ذکر کیجئے، تسبیح وتحمید کیجئے اور سجدہ کرنے والوں، صلوٰۃ ادا کرنے والوں کے ساتھ رہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے دل کی تنگی اور دل کی تکلیف کے بارے فرمایا کہ یہ دو باتیں اس کا علاج ہیں۔ ذکر اور توجہ الی الحق۔ کوئی پریشانی ہو، تکلیف ہو، مصیبت ہو تو کثرت سے ذکر کرو اور متوجہ الی اللہ رہو۔ ہمارے ہاں بڑی عجیب بات ہے مجھے کئی ای میل اور خط آتے ہیں کہ کئی دن سے ذکر چھوٹ گیا کہ میں کچھ پریشان تھا۔ کیا کوئی یہ کہتا ہے کہ میں بیمار ہوا لیکن مجھ سے دوا چھوٹ گئی۔ یہ ایک نئی منطق ہے کہ بیمار ہو اور علاج چھوڑ دے پھر تو اور بیمار ہوگا۔ دنیا میں انبیاء اور رسولوں پر بھی پریشانی آتی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے علاج بتایا کہ ذکر کرو اور متوجہ الی اللہ رہو تو پریشانی آپ کو تکلیف نہیں دیتی۔ اللہ دور فرما دیتے ہیں۔

شرعی احکام کے سقوط کے قائلین کا ابطال:

قولہ تعالیٰ: وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى يَاۡتِيَكَ الۡيَـقِيۡنُ حجر:99

ترجمہ: اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیئے یہاں تک کہ آپ کو موت آجاوے۔

"یقین کی تغیر موت ہے تو اس میں ان لوگوں پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ کوئی مرتبہ سلوک میں ایسا ہے جس میں تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہیں اور یہ اعتقاد الحاد محض ہے۔"

فرمایا اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو اللہ حکم دے رہا ہے کہ آخری دم تک اللہ کی عبادت کرو تو تصوف وسلوک میں ایسا کون سا مرتبہ ہے جس پر جا کر عبادت ساقط ہو جاتی ہے۔ کوئی نہیں عبادت مرتے دم تک ہر شخص پر فرض ہے، فرض ہے، واجب، واجب ہے۔ سنت، سنت ہے اس کے مطابق زندگی گزارنی چاہیے۔

سورہ النحل

تجمل کا قصد اچھی نیت ہے:

قولہ تعالیٰ: وَلَكُمۡ فِيۡهَا جَمَالٌ الی قولہ تعالی وَزِيۡنَةً ۔ النحل:7-6

ترجمہ: اور ان کی وجہ سے تمہاری رونق بھی ہے الی قولہ تعالی اور نیز زینت کے لیے بھی ہیں۔

"وفأ ور کوب وا کل وغیرہ منافع ضروریہ کے بعد اس کا لانا دلیل ہے اس پر کہ زینت و جمال وغیرہ مصالح زائد کا قصد بھی مضر نہیں جب اس میں کوئی شرعی مصلحت ہو جیسے دفع مذلت یا مسرت اور فخر وتکبر نہ ہو مگر چونکہ مبتدی اس سے کم خالی ہوتا ہے اس لیے اس کو کنارہ کشی ہی مناسب ہے جب تک تہذیب نفس حاصل نہ ہو جاوے اور اس تہذیب کی شیخ کامل شہادت نہ دے دے۔"

فرمایا اس میں اس بات پہ دلیل ہے کہ صحت مند، مناسب، حلال یعنی پہلے حلال ہو پھر طیب ہو اس کے بعد غذا صحت مند ہو تو اچھی بات ہے۔ حلال پاکیزہ ہونا تو شرط ہے لیکن اس کے بعد اچھی دو چیزیں ہیں۔ ایک اچھی غذا مناسب ہے تو اچھی غذا کھائے اور اچھا لباس پہنے۔ زینت کا ہونا بھی ایک اچھی صفت ہے اس سے اس کی حیثیت معلوم ہوگی کہ یہ اس حیثیت کا آدمی ہے یہ بات قابل مذمت نہیں ہے۔ یہ دونوں چیزیں تعریف کے زمرے میں آتی ہیں۔

زینت وتجارت کا مانع طریق نہ ہونا:

قولہ تعالیٰ: وَتَسۡتَخۡرِجُوۡا مِنۡهُ حِلۡيَةً تَلۡبَسُوۡنَهَا ۚ الی قولہ تعالی وَلِتَبۡتَغُوۡا مِنۡ فَضۡلِهٖ النحل:14

ترجمہ: اور اس میں سے گہنا نکالو جس کو تم پہنتے ہو الی قولہ تعالیٰ اور تاکہ تم اللہ کی روزی تلاش کرو۔

"اس سے بھی وہی اوپر والا مسئلہ ظاہر ہوتا ہے کہ زینت کا لباس اور تجارت وغیرہ جب کہ حاجب عن الحق نہ ہو خلاف طریق نہیں۔"

یعنی کاروبار کرنا اچھا لباس پہننا یا خواتین کا زیور پہننا یہ اللہ سے دوری کا سبب نہیں بنتا اگر حاجب الی الحق نہ ہو۔ وہ ایسا نہ ہو کہ اس میں اتنا محو ہو جائے کہ اللہ ہی کو بھول جائے اپنے معمولات بھول جائے، اذکار بھول جائے پھر وہ مذموم ہوگا لیکن اپنے اذکار اپنے معمولات برابر

کرتا ہے، تجارت کرتا ہے، ملازمت کرتا ہے، مزدوری کرتا ہے، اچھا کماتا ہے، اچھا لباس پہنتا ہے، اچھی گاڑی ہے، اچھی زیب و زینت رکھتا ہے تو یہ اس کے قرب الٰہی کے منافی نہیں ہے۔

تکبر کا مادہ معاصی ہونا:

قولہ تعالیٰ: قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ النحل:22

ترجمہ: ان کے دل منکر ہو رہے ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔

"اس سے تکبر کی مذمت جس قدر معلوم ہوتی ہے ظاہر ہے کہ کفر و انکار کی اصل وہی ہے۔"

فرمایا تکبر کی اتنی مذمت اللہ نے کی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کفر اور انکار کا سبب بھی تکبر ہی بنتا ہے۔

دنیا میں طاعات کی برکات:

قولہ تعالیٰ: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ النحل:30

ترجمہ: جن لوگوں نے نیک کام کئے ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔

"روح میں امام کا قول منقول ہے کہ اس حسنہ سے مراد فتح باب مکاشفات و مشاہدات و الطاف بھی ہو سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں یا حیوٰۃ طیبہ مراد ہے۔"

فرمایا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ جو دنیا میں نیکی کرتے ہیں انہیں دنیا میں بھی بھلائی نصیب ہوتی ہے۔ تو فرماتے ہیں امام صاحب نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ نیکی بھلائی اور اطاعت سے مشاہدات و مکاشفات نصیب ہوتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ کہتے ہیں میں کہتا ہوں حیات طیبہ نصیب ہوتی ہے یعنی پوری زندگی پر لطف ہو جاتی ہے۔ دنیا میں بھی آرام ملتا ہے اور آخرت میں بھی۔

دنیا میں فرشتہ کی بشارت ملنا:

قولہ تعالیٰ: الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ النحل:32

ترجمہ: جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ پاک ہوتے ہیں وہ کہتے جاتے ہیں السلام علیکم تم جنت میں چلے جانا۔

"اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ دنیا میں غیر نبی کے ساتھ بھی کلام کرتے ہیں اور نیز اس سے طاعات کے بعض ثمرات دنیا میں حاصل ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔"

فرماتے ہیں اس آیہ کریمہ سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ فرشتے غیر نبی یعنی ولی اللہ سے بھی بات کرتے ہیں اور دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ نیکی کے ثمرات دنیا میں بھی معلوم ہو جاتے ہیں ابھی زندگی باقی ہوتی ہے تو اسے سمجھ آنا شروع ہو جاتی ہے کہ میرے لیے آگے کیا کیا بھلائی ہے۔

تقویٰ پر دنیا میں بھی ثمرہ کا ترتب:

قولہ تعالیٰ: وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا الی قولہ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ النحل:41

ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا الی قولہ تعالیٰ اور آخرت کا ثواب بدرجہا بڑا ہے۔" اور حدیث میں تارک منہیات کو مہاجر فرمایا ہے۔ تو اس آیت میں متقی کو بھی بشارت ہے حسنات دارین کے ساتھ۔"

ارشاد ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی ان کا اجر اللہ پر ہے اور آخرت میں دنیا سے بھی بڑا اجر دے گا اور دنیا میں بھی جو گھر انہوں نے چھوڑا ہے۔ اس سے بہتر ٹھکانہ دے گا۔ سو فرماتے ہیں حدیث میں ہجرت تارک منہیات کو چونکہ وہ ہجرت تو تھی جب تک مکہ مکرمہ فتح نہیں ہوا۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہوگیا ہجرت ختم ہوگئی لیکن یہ ہجرت قیامت تک ہے کہ کوئی گناہوں کو چھوڑ کر نیکی کی طرف آ جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بھی مہاجر ہے اس نے ہجرت کی۔ تو فرماتے ہیں اس کے لیے بھی یہی ہے کہ اس دنیا میں بھی آسانیاں دے گا اور آخرت میں بہت بڑا اجر دے گا۔

***

اکرم التفاسیر

سورۃ الکہف آیات 58 تا 74

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ
اور آپ کا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے۔ اگر ان کے کرتوتوں پر ان کو پکڑنے لگے تو ان پر فوراً
بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ
عذاب بھیج دے بلکہ ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے کہ اس (کے عذاب) سے ہرگز کوئی
مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾
پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔ اور یہ بستیاں ہیں (جو ویران ہیں) جب انہوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان
تِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ جَعَلْنَا
(کے باشندوں) کو ہلاک کر دیا اور ہم نے ان کی تباہی کے لئے ایک وقت مقرر کیا تھا۔
لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى
اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنے خادم سے فرمایا کہ جب تک میں دو سمندروں کے ملنے کی
لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ
جگہ پر نہ پہنچ جاؤں میں سفر جاری رکھوں گا یا یونہی زمانہ دراز تک چلتا رہوں گا۔ پس جب
اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ
وہ دونوں ان کے ملنے کی جگہ پہنچے تو اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے تو اس (مچھلی) نے سمندر میں سرنگ
بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ
کی طرح اپنا راستہ بنایا۔ پس جب دونوں (وہاں سے) آگے بڑھے تو موسیٰ (علیہ السلام)
سَرَبًا ﴿٦١﴾ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا
نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارے لئے صبح کا کھانا لاؤ بے شک ہم اس سفر سے بہت تھک گئے ہیں۔
لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾
اس نے کہا دیکھیے جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی (کے تذکرہ) کو بھول گیا
قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ
اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلا دیا کہ آپ سے اس کا ذکر کروں اور اس نے عجیب طرح سے (زندہ ہو کر)
نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ
سمندر میں اپنا راستہ بنا لیا۔ فرمایا یہی تو (وہ مقام ہے) جس کی ہم کو تلاش تھی سو دونوں
سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿٦٣﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا
اپنے پاؤں کے نشانات دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ تو (وہاں) انہوں نے ہمارے
عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ
بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جس کو ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔
رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾
موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے کہا (خضرؑ سے) کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ آپ کو جو علم
قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ
(اللہ کی طرف سے) سکھایا گیا ہے اس میں سے مجھے بھی بھلائی کی باتیں سکھا دیں۔ انہوں نے کہا یقیناً
مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٦٦﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ
آپ میرے ساتھ رہ کر ہرگز صبر نہ کر سکیں گے۔ اور جس بات کی آپ کو خبر ہی نہ ہو اس پر آپ
صَبْرًا ﴿٦٧﴾ وَ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ
کیسے صبر کر سکتے ہیں۔ فرمایا اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں آپ
خُبْرًا ﴿٦٨﴾ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ
کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔ انہوں نے کہا پھر اگر آپ میرے ساتھ رہنا چاہیں
اَمْرًا ﴿٦٩﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى
تو مجھ سے کوئی بات نہ پوچھیے گا جب تک میں خود اس کا ذکر آپ سے نہ کر دوں۔ تو دونوں چل دیے
اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٧٠﴾ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي

یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضرؑ نے) اس (کشتی) میں دراڑ ڈال دی تب انہوں نے فرمایا
السَّفِيۡنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَهَا لِتُغۡرِقَ اَهۡلَهَا ۚ
کہ کیا آپ نے کشتی میں اس لئے دراڑ ڈال دی تا کہ اس میں سوار غرق ہو جائیں یقیناً آپ نے بڑی عجیب بات کی۔
لَقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـئًـا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ
انہوں نے کہا کیا میں نے کہا نہیں تھا کہ بے شک آپ میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکیں گے انہوں نے فرمایا
اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا
یہ مجھ سے بھول ہوئی ہے اس پر گرفت نہ کیجئے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے۔ پھر دونوں چلے
تُؤَاخِذۡنِىۡ بِمَا نَسِيۡتُ وَلَا تُرۡهِقۡنِىۡ مِنۡ اَمۡرِىۡ عُسۡرًا ﴿۷۳﴾
یہاں تک کہ وہ (راستے میں) ایک لڑکے سے ملے تو انہوں نے (خضرؑ نے) اسے قتل کر دیا
فَانۡطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا
انہوں نے فرمایا کیا آپ نے ایک بے گناہ شخص کو بغیر قصاص کے (ناحق) قتل کر دیا؟ یقیناً
زَكِيَّةًۢ بِغَيۡرِ نَفۡسٍ ؕ لَـقَدۡ جِئۡتَ شَيۡـئًـا نُّكۡرًا ﴿۷۴﴾
یہ تو آپ نے بہت بے جا حرکت کی ہے۔

اَللّٰھُمَّ سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝ مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ۔

کفار کا اور اُن کی ہٹ دھرمی کا تذکرہ چل رہا تھا۔ ارشادِ باری ہوا کہ ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کے حصولِ علم کے ذرائع پر پردہ ڈال دیا گیا ہے۔ ان کے کان اچھائی سننے سے محروم ہیں، ان کی آنکھیں اچھائی دیکھنے سے محروم ہوگئیں ہیں اور ان کے دل بھلائی کو قبول کرنے سے عاری ہوگئے ہیں۔ یہ انہیں ان کے گناہوں کی سزا ملی ہے۔ اور اس کے باوجود بھی۔ وَرَبُّكَ الۡغَفُوۡرُ ذُو الرَّحۡمَةِ (آیت:58) اور آپ کا پروردگار بہت ہی بخشنے والا اور بہت بڑی رحمت والا ہے۔ یعنی ان کے گناہوں کے جو اثرات ان پر مرتب ہو رہے ہیں وہ تو فطری ہیں کہ آپ آگ میں ہاتھ ڈالیں گے تو جلے گا۔ یہ ایک فطری عمل ہے۔ اسی طرح ان کے آنکھوں، کانوں پر جو پردے پڑ گئے ہیں یا اِن کے دل پر جو پردہ پڑ گیا ہے تو یہ ان کے گناہوں کا نتیجہ ہے ورنہ اللہ تو بہت کریم ہے۔ وہ چاہتا تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں تباہ کر دیتا، ان کی زندگیاں چھین لیتا، ان پر آسمان سے عذاب نازل کر دیتا، زمین انہیں غرق کر دیتی لیکن اللہ تو بہت بخشنے والا، درگزر کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ لَوۡ يُؤَاخِذُهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا لَعَجَّلَ لَهُمُ الۡعَذَابَ (آیت:58) اگر ان کے کردار اور ان کے اعمال پر گرفت کرتا تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا، وہ تباہ ہو چکے ہوتے۔

اللہ کا عذاب جب آتا ہے وقت مقررہ پر آتا ہے بَلۡ لَّهُمۡ مَّوۡعِدٌ لَّنۡ يَّجِدُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖ مَوۡئِلًا (آیت:58) لیکن اللہ نے تو ان کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، انہیں فرصت دے رکھی ہے مہلت دے رکھی ہے۔ ہاں! جب موت آئے گی، نامۂ اعمال ختم ہو جائیں گے، دارالعمل ختم ہو جائے گا، دارالجزا شروع ہوگا تو پھر یہ بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں پائیں گے پھر سوائے عذاب کے انہیں کچھ نصیب نہیں ہوگا۔ پھر ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں ہوگی کہ عذاب الٰہی سے بھاگ کر کہیں جائیں۔ اور یہ تو کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔ وہ بارگاہ تو اتنی عالی ہے کہ اُس کے بہت ہی مقرب بندوں سے اگر کوئی لغزش ہو جائے حتیٰ کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ان کی شان کے خلاف کوئی بات ہو جائے یعنی جو مقام، جو مرتبہ نبیؑ کا ہے اس کی شان سے کم تر کوئی بات ہو جائے تو اسے بھی خطا شمار کیا جاتا ہے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام معصوم ہوتے ہیں یہ خاصۂ نبوت ہے۔ ہر نبیؑ معصوم ہوتا ہے اور نبیؑ سے گناہ نہیں ہوتا نبیؑ فطرتاً گناہ کرتا ہی نہیں ہے اس کے باوجود نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ارشاد ہوا وَاسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِكَ اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں۔ پھر اس میں کیسے تطبیق ہوگی کہ نبیؑ سے تو گناہ ہوتا ہی نہیں۔ نبی اکرم ﷺ کی شان بہت بلند ہے جو بات آپ ﷺ کی شان کے لائق نہ تھی، آپ ﷺ کی شان سے کم تر درجے کی تھی وہ صادر ہوگئی تو اسے قرآن نے گناہ کہہ دیا ورنہ نبیؑ میرے آپ جیسے گناہ نہیں کر سکتے بلکہ یہ ان کی شان کے لائق نہیں ہوتے۔ نبی کریم ﷺ پر جب اصحاب کہف کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا کہ میں کل اس کا

جواب دوں گا تو پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ کفار ومشرکین نے مذاق اڑایا کہ کہاں گیا آپ ﷺ کا رب اور کہاں گئی آپ ﷺ کی وحی اور کافروں نے یہاں تک کہا کہ اب تو ان کے رب نے انہیں چھوڑ دیا ہے اب وہ انہیں اس کا جواب نہیں سکھاتا۔ پندرہ دن بعد وحی نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ آپ ﷺ نے یہ کیوں نہیں کہا تھا کہ اللہ نے چاہا تو کل جواب دوں گا۔ ان شاء اللہ کہنا چاہیے تھا۔ تو وہ پندرہ دن کس کرب میں اور کس تکلیف میں گذرے۔ ادنیٰ سی اس بات پہ کہ آپ ﷺ کی شان کے لائق تھا کہ آپ ﷺ فرماتے اللہ نے چاہا تو میں کل جواب دوں گا۔ آئندہ آپ ﷺ یاد رکھیے کہ جب بات ہو آئندہ کی تو ساتھ انشاء اللہ لگایا کیجئے۔ اگر مقربین کا اس طرح سے محاسبہ ہوتا ہے تو یہ تو منکرین ہیں، ان کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا، اسی طرح دیکھ لیں۔ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا (60) موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ حدیث شریف میں بخاری شریف میں، مسلم شریف میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا اس وقت دنیا میں کوئی آپ سے زیادہ جاننے والا بھی ہے۔ آپؑ نے فرمایا نہیں، سب سے زیادہ وہ جاننے والا میں ہوں۔ بات تو آپؑ کی ٹھیک تھی آپؑ الوالعزم رسول تھے، صاحب کتاب تھے رب العالمین سے شرف ہم کلامی حاصل تھا۔ اب ان سے بڑا جاننے والا اور کون ہوگا۔ لیکن اللہ کریم نے فرمایا کہ آپ کو یہ بات زیب نہیں دیتی تھی آپ کو معاملہ میرے سپرد کر دینا چاہئے تھا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ یا اللہ نے مجھے سب سے زیادہ علم دیا۔ آپ اس طرح کہہ دیتے آپ نے یہ نہیں کہا تو فرمایا کہ آپ جائیں میں نے ایک بندے کو جو نبی بھی نہیں ہے، ایک ولی اللہ ہے۔ دنیا میں زندہ نہیں ہے رخصت ہو چکا ہے۔ اسے دیکھیں میں نے اسے کس قسم کے علوم دیئے ہیں۔ کیا وہ آپ کے پاس ہیں؟ وہ تو میری تقسیم ہے۔ جس کو جو چاہتا ہوں دیتا ہوں۔ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا (آیت: 60) فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ میں جہاں دو سمندر ملتے ہیں یا دو دریا ملتے ہیں۔ (مجمع البحرین کہتے ہیں دو دریاؤں یا سمندروں کے ملنے کو) وہاں تشریف لے جائیں اور میرے ایک بندے سے ملیں اور دیکھیں کہ میں نے کس کس کو کیسے کیسے علوم عطا کئے ہیں۔ یوشع بن نون جو بعد میں خود نبیؑ مبعوث ہوگئے وہ آپؑ کے خادم کے طور پر آپؑ کے ساتھ تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ مجھے خواہ ساری زندگی چلنا پڑے میں چلتا رہوں گا جب تک مجمع البحرین نہ پہنچ جاؤں۔ آج کل کی طرح سہولتیں تو تھیں نہیں اور نہ سواریاں تھیں نہ کوئی نقشے تھے نہ کسی کو پتا تھا۔ چنانچہ اللہ کی رہنمائی میں آپؑ چل نکلے حضرت یوشع بن نون کو ساتھ لیا۔ اللہ کریم نے انہیں ایک نشانی عطا فرمائی کہ ان کے پاس ایک مچھلی تھی اور ظاہر ہے مچھلی جب پانی سے باہر آتی ہے تو زندہ نہیں رہ سکتی تو اللہ کریم نے فرمایا کہ جب مقررہ جگہ پر آپ پہنچیں گے تو یہ مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی جائے گی اور میرے اس بندے کی نشان دہی بھی کرے گی۔ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا (آیت: 61) جب وہ مجمع البحرین پر پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام آرام کرنے کے لیے چٹان پر لیٹ گئے۔ اونگھ آگئی، آنکھ لگ گئی، مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی اور صرف پانی میں نہیں گئی جدھر چلتی گئی پانی میں اُدھر ایک سرنگ بنتی گئی راستہ بنتا گیا۔ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا (آیت: 62) وہ اُٹھے تو آگے چل دیئے۔ کافی آگے جا کر آپؑ نے حضرت یوشع سے صبح کا کھانا مانگا۔ فرمایا کہ کھانا لاؤ آج تو تھک گئے ہیں۔ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا (آیت: 62) چٹان سے آگے چلنے کے بعد جو سفر ہم نے کیا اس نے تو ہمیں تھکا دیا۔ پیچھے کتنے دنوں راتوں سے رات دن سفر کرتے آرہے ہیں، تھکے نہیں ہیں، اس نے تو تھکا دیا ہے۔ جب انہوں نے کھانا پیش کیا تو انہیں یاد آیا کہ مچھلی تو جا چکی ہے۔ کہنے لگے کہ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى

الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَآ أَنْسٰنِيهُ إِلَّا الشَّيْطٰنُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا (آیت:63) انہوں نے عرض کی کہ جب ہم وہاں چٹان پر رُکے تھے اور آپ چٹان پر آرام فرما رہے تھے تو مچھلی تو زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی۔ اور اس نے تو پانی میں ایک راستہ بنا دیا، سرنگ بنا دی اور مجھے شیطان نے یہ بات بھلا دی۔

موسیٰ علیہ السلام کتنی دیر سے چل رہے تھے (یہ تفصیل کسی نے نہیں بتائی کہ کتنے دن رات چلتے رہے) تو وہاں تک پہنچنے میں نہیں تھکے۔ وہاں سے جب آگے گئے تو تھکاوٹ محسوس ہوئی تو مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ جب تک بندہ حق پر رہتا ہے، سیدھے راستے پر رہتا ہے تو اس پر بوجھ نہیں پڑتے۔ جب حق سے ہٹتا ہے تو پھر بوجھ گھیر لیتے ہیں پھر دنیوی مصیبتیں، پریشانیاں، فکر مندیاں بہت سی چیزیں آجاتی ہیں اور اگر راہ راست پر رہے، اسے تھکاوٹ یعنی اس پر دنیوی بوجھ نہیں آتے۔ تو چونکہ انہوں نے جہاں تک پہنچنا تھا وہاں سے آگے چلے تو اگلے سفر نے تھکا دیا۔ پچھلے میں جہاں تک منزل تھی، وہاں تک تھکاوٹ محسوس نہیں ہوئی۔

اس وقت حضرت یوشع علیہ السلام نے عرض کی کہ جب آپ چٹان پر آرام فرما رہے تھے تو مچھلی تو زندہ ہو کر پانی میں چلی گئی اور اس نے پانی میں وہ راستہ بنا دیا تو یہ بات شیطان نے میرے ذہن سے بھلا دی کہ میں نے تو آپ کو عرض کرنا تھا۔ اب عرض کر رہا ہوں اور بڑی حیرت کی بات ہے وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا اس نے تو سمندر کو پھاڑ کر اس میں راستہ بنا دیا تھا۔ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہی تو وہ مقام تھا جس کی تلاش میں ہم نکلے تھے اور جہاں ہمیں پہنچنا تھا قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (آیت:64) تو پھر وہ بات چیت کرتے ہوئے، الٹے قدموں، اپنے قدموں کے نشانات پر واپس چل پڑے کہ اُس جگہ پہنچیں۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (آیت:65) وہاں انہوں نے ہمارے ایک بندے کو پایا۔ جسے ہم نے اپنی خاص رحمتوں سے نوازا تھا اور اسے اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔ یعنی اس نے کسی سے سیکھا نہیں تھا۔ کسی کتاب سے نہیں پڑھا بلکہ وہ علم ہم نے براہ راست اسے عطا کر دیا۔ یہ ایک نعمت ہے۔ اللہ کی اور اسے علم لدُنی کہتے ہیں۔

عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ۔ اس کا مطلب ہے کہ علم لَدُنّی صرف حضرت خضرؑ سے مختص نہیں تھا بلکہ اللہ کے بہت سے بندے ہیں جن میں سے ایک وہ تھے عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ میرے بندوں سے ایک بندہ۔ گویا ایک انعام الٰہی ہے پہلی اُمتوں میں بھی تھا اور اُمت مرحومہ پر تو دوسروں سے زیادہ ہونا چاہئے کیونکہ اس پر اللہ کی رحمتیں زیادہ ہیں تو اللہ کے ایسے بندے ہیں کہ بغیر ظاہری ذرائع کے علوم حق انہیں عطا کر دیئے جاتے ہیں اور اچھائی اور بھلائی اللہ کی ذات وصفات، آخرت، رسول اللہ ﷺ کی عظمت، قرآن کی صداقت اور حق کے متعلق اُن کے دل کھول دیئے جاتے ہیں اور اُنہیں علوم عطا کر دیئے جاتے ہیں۔ جو خزانے انہیں عطا ہوتے ہیں وہ اقتصادی علوم سے بہت بالاتر ہوتے ہیں۔ اور ہر پڑھنے لکھنے والا اُن رازوں اور اُن بھیدوں کو نہیں پا سکتا جو اُن کو نصیب ہوتے ہیں۔ جنہیں اللہ کریم علم لَدُنّی عطا کرتے ہیں تو حدیث شریف میں موجود ہے کہ یہ حضرت خضرؑ تھے حضرت خضرؑ بنی اسرائیل کے ایک ولی اللہ تھے اور اپنے عہد کے قطب مدار تھے۔ موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ان کا وصال ہو چکا تھا۔

ولایت کیا ہے؟ قرب الٰہی کی کیفیات ہیں۔ یہ کیفی منازل ہیں۔ اہل اللہ مجاہدے کرتے ہیں، شریعت کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں۔ ذکر اذکار، زیادہ محنت، اور زیادہ عبادت ونیکی کر کے اپنے مشائخ سے توجہ پاتے ہیں اور اپنے نبیؑ کی برکات پاتے ہیں اور ان کے درجات بلند ہوتے جاتے ہیں۔ ایسے لوگ جب ایک خاص مقام سے آگے چلے جاتے ہیں تو ان کی روحیں بعد از وصال ملاالاعلیٰ کی، عرش عظیم کے رہنے والے فرشتوں کی طرح ہو جاتی ہیں۔ اور اللہ کریم بعض ارواح سے جس طرح فرشتوں سے تقدیر کے کام لیے جاتے ہیں، ان ارواح سے بعض کام لیے جاتے ہیں۔ سب سے لیں یا کسی کسی سے لیں، یہ اللہ

کی تقسیم ہے۔ اور یقیناً اُمت مرحومہ میں بھی ایسے لوگ ہوں گے۔

حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے، سیدنا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی روح بھی بعد از وصال ملا الاعلیٰ میں شامل ہوگئی تھی۔ یہ حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے میں نے سنا۔ کسی کتاب میں کسی نے ذکر نہیں کیا اور میرا خیال ہے جو کتابیں لکھتے ہیں یہ اُن کا موضوع بھی نہیں ہے۔ وہ علم ظاہر سے اور سنی سنائی باتوں سے یا دیکھی باتوں سے لکھتے ہیں یہ باتیں کیفی ہیں۔ اور کیفیات اُن تک پہنچتی نہیں ہیں۔ بہر حال حضرت خضرؑ اللہ کے ایک مقرب بندے تھے، اپنے زمانے کے قطب مدار تھے اور رہتے بھی ہمیشہ قطب مدار کے ساتھ ہیں۔ ہمیشہ آج بھی جس شخص کو اس منصب سے اللہ نے نوازا ہوگا وہ اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس کے ساتھ تعاون رکھتے ہیں۔

تو موسیٰ علیہ السلام ان سے ملے اور موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ کریم نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور اللہ کریم نے مجھے اس لیے بھیجا ہے کہ میں دیکھوں آپ کو کتنے علوم عطا ہوئے ہیں۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (آیت:66) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں آپ کے ساتھ کچھ روز رہ سکتا ہوں۔ هَلْ اَتَّبِعُكَ تاکہ جو علوم اور اچھی باتیں آپ کو اللہ کریم نے سکھائی ہیں آپ وہ مجھے بھی بتائیں۔ علمی درجہ اور فضیلت موسیٰ علیہ السلام کی مسلم ہے۔ وہ اولوالعزم رسول تھے، صاحب کتاب تھے۔ انہیں اللہ سے بات کرنے کا شرف حاصل تھا اور خضر علیہ السلام ایک ولی اللہ تھے۔ تو کہاں ولی اور کہاں اُولوالعزم رسولؑ! ولی اللہ تو نبیؑ کی خاک پا کو بھی نہیں پا سکتا۔ سارے ولی اکٹھے ہو جائیں تو بھی نبیؑ کی خاک پا کو نہیں پہنچتے۔ لیکن علم کے شعبے الگ الگ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے علوم، ان کی نبوت اور شریعت کے مطابق تھے یعنی تشریعی علوم تھے۔ خضر علیہ السلام سے جو کام لیا جاتا یہ تکوینی تھا۔ جیسے اللہ کریم اپنی قدرت کاملہ سے کرتے ہیں۔ تکوینی علوم، انبیاءؑ کے پاس نہیں ہوتے۔ انبیاءؑ کے علوم تشریعی ہوتے ہیں۔ جس شریعت کو لے کر وہ مبعوث ہوتے ہیں۔ اس کی سارت ضروریات اور ساری حاجات کے مطابق تمام علوم انبیاءؑ کو عطا فرمائے جاتے ہیں۔ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (آیت:67) انہوں نے عرض کی کہ حضور آپ میرے ساتھ رہ کر برداشت نہیں کر پائیں گے اس لیے کہ آپ کے علوم تشریعی ہیں، شرعی حدود و قیود ہیں کہ یہ کریں گے تو اس کا یہ نتیجہ ہوگا یا یہ درست یا یہ غلط ہے، یہ حلال ہے یہ حرام ہے، یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے۔ مجھے حکم ملتا ہے اللہ کی طرف سے کہ یہ کردو۔ اب یہ اللہ کی مرضی۔ اس پر آپ کی شریعت وارد نہیں ہوتی نہ اس کے کوئی ظاہری اسباب ہوتے ہیں نہ وہ ظاہر نظر آتا ہے۔ اللہ کے حکم پر وہ کام ہو جاتا ہے تو جب کچھ ایسے کام ہوں گے جو شرعاً تو جائز نہیں ہوں گے تو آپ اعتراض کریں گے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ شریعت کا اطلاق مخلوق پر، بندوں پر ہوتا ہے۔ اللہ تو شریعت کا پابند نہیں وہ تو خود قانون دینے والا، عطا کرنے والا ہے۔ تو اللہ کی تقدیر جو جو چاہتی ہے کرتی ہے۔ یہ تکوینی علوم تو آپ کے پاس نہیں ہیں، آپ کے پاس تو علومِ تشریعی ہیں۔ میں کام کروں گا تکوینی علوم کے مطابق تو آپ کو اس پر اعتراض ہوگا۔ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا آپ اس بات پر کیسے صبر کریں گے جس کے بارے، اس کی اصلیت، اس کے حقائق، اس کا پس منظر آپ کو معلوم نہیں۔ اس بات پر آپ صبر نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ آپ تو شریعت کے مکلف ہیں آپ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ تو میرا آپ کا ساتھ کیسے ہوگا۔ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ مجھے بڑا صبر کرنے والا اور بڑا تعاون کرنے والا پائیں گے۔ میں آپ کی بات پر کوئی اعتراض نہیں کرنے لگا، نہ آپ کے حکم کے خلاف کچھ کروں گا۔ جو آپ کو حکم ہوگا وہ آپ کریں میں اس کی مخالفت نہیں کروں گا۔ خضر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک شرط لگا دی قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۔ کہنے لگے پھر میری ایک شرط ہے کہ میرے کام تو آپ کو عجیب لگیں گے لیکن آپ مجھ پر سوال نہیں کریں گے۔ جب

تک میں خود نہ بتادوں اللہ کی طرف سے جب مجھے حکم ہوا کہ میں آپ کو بتادوں تو آپ کو وضاحت کروں گا ورنہ آپ سوال نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ یہ تکوینی امور ہیں اور ان پر شریعت کا اطلاق ہوتا نہیں ہے۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا چنانچہ چل دیئے راستے میں دریا آ گیا، کشتی کنارے کے ساتھ کھڑی تھی۔ خضر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی تھے اور موسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ کشتی میں سوار ہوئے اگلے کنارے جانا تھا۔ تو کشتی والا جو تھا اس نے بڑی عزت کی۔ اس نے دیکھا کہ بہت نیک پارسا لوگ ہیں۔ نورانی چہرے ہیں۔ تو مفسرین کرام لکھتے ہیں کہ اس نے کرایہ بھی نہ لیا اور بڑی عزت سے کشتی میں بٹھا دیا کہ کرایہ دینے کے لیے اور سواریاں کافی ہیں۔ آپ کا میں یہ احترام کرسکتا ہوں کہ آپ کرایہ بھی نہ دیں میں آپ کو پار لے چلوں گا۔ لیکن جب وہ کشتی چلی۔ خضر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کشتی ایک طرف سے چیر دی۔

آج کل لوگ کرامات اولیاء کا انکار کرتے ہیں اور کہ اس دور کا فتنہ ہے ایسے ہی کسی مولوی صاحب کی تحریر پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ وہ اعتراض کر رہے تھے کہ خضر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کلہاڑا اٹھایا اور کشتی پھاڑ دی۔ تو خضر رحمۃ اللہ علیہ جب کلہاڑے سے کشتی پھاڑ رہے تھے تو صرف موسیٰ علیہ السلام کو ہی کیوں نظر آیا باقی سواریوں سے کشتی بھری ہوئی تھی ان کو کیوں نظر نہیں آیا؟ وہ سارے شور کرتے کہ بھئی کشتی توڑ رہے ہو۔ ان معترضین کو صرف بزرگوں کی کرامات کا انکار کرنے کا شوق ہے تو لکھ دیا کہ کلہاڑے سے کشتی پھاڑ دی جبکہ یہ بات حقیقت کے برعکس ہے اگر وہ کلہاڑا استعمال کرتے تو ساری سواریاں چیخ اٹھتیں۔ وہ تو صرف موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ خضر رحمۃ اللہ علیہ نے انگلی سے یا ہاتھ سے اشارہ کیا۔ کشتی میں بال آ گیا یہ نہیں کہ پھٹ کے الگ ہو گئی۔ اس میں ایک دراڑ آ گئی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فوراً گرفت کی۔ شرعاً تو یہ جائز نہیں تھا لیکن انہوں نے ایسا کیا کہ انہیں اللہ کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ یہ کردو پھر بعد میں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر واضح فرمایا لیکن اس وقت تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا O لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا۔ بھئی آپ نے کمال کر دیا کشتی والوں نے عزت کی، کرایہ بھی نہیں لیا اتنی سواریاں اس میں بھری ہوئی ہیں دریا کے درمیان میں ہے آپ نے اس میں بال ڈال دیا۔ اس سے پانی اندر آ جائے گا، کشتی ڈوب جائے گی۔ یہ آپ نے ان کے احسان کا کیا بدلہ چکایا؟ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا تو خضر رحمۃ اللہ علیہ نے یاد کرایا کہ میں نے تو پہلے عرض کیا تھا کہ آپ میرے ساتھ سفر نہیں کر سکتے آپ کے پاس شریعت کے علوم ہیں۔ شرعاً تو یہ ناجائز ہے۔ لیکن مجھے اللہ کی طرف سے حکم ہوا۔ اللہ تو قادر ہے جو چاہتا ہے، وہ کرتا ہے وہ مخلوق کے لیے بہتر ہی کرتا ہے اس کے کام میں کیا بہتری ہے۔ یہ تو مجھے خبر نہیں ہے۔ جب اللہ بتائے گا تو پتہ چلے گا مجھے حکم ہوا کہ پھاڑ دو میں نے پھاڑ دی۔ آب آگے کیا ہوگا دیکھتے ہیں۔ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ مجھ سے بھول ہو گئی، مجھے وعدہ یاد نہیں رہا میں نے آپ کا کام دیکھا تو میں بے قرار ہو گیا کہ یہ تو شرعاً درست نہیں ہے لہٰذا آپ درگزر کریں۔ آئندہ میں برداشت کروں گا تو ابھی آپ درگزر کریں اور مجھے اپنے ساتھ چلنے دیں۔ تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ مجھ سے بھول ہو گئی ہے اس پر گرفت نہ کریں اور مجھ پر کوئی آزمائش یا مشکل نہ ڈالیں۔ مجھے اپنے سے جدا نہ کریں۔ مجھے ساتھ رہنے دیں۔

فَانْطَلَقَا سو چل پڑے حتی حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ یہاں تک کہ ایک بچے کو ملے جو کھیل کود میں مشغول تھا۔ خضر علیہ السلام نے اسے بھی خرق عادت کے طور پر قتل کر دیا۔ کوئی اشارہ کیا ہوگا یا کچھ کیا ہوگا کہ وہ بچہ مر گیا۔ موسیٰ علیہ السلام پھر گرفت پر آ گئے۔ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ایک معصوم اور بے گناہ بچے کو آپ نے بغیر کسی جواز کے قتل کر دیا۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا یقیناً یہ تو آپ نے بے جا حرکت کی ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

14 اگست 2012

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

سوال: یوم آزادی مبارک! آج پاکستان سڑسٹھ سال کا ہو چکا ہے۔ یہ ملک اسلام کے نام پہ بنا تھا، آج تک یہ ایک قوم نہیں بن سکا۔ اس کے بنانے کا مقصد نفاذِ اسلام تھا جو ایک نعرہ سے زیادہ کچھ ثابت نہیں ہوا۔ ہم پاکستان سے تو نہیں البتہ موجودہ قیادت سے دل برداشتہ اور مایوس ہو چکے ہیں۔ ایسے میں آپ کا یہ دعویٰ اور نعرہ پڑھا کہ اسلام وطنِ عزیز کا مقدر ہے۔ بہت خوشی ہوئی۔ آپ سے پوچھنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ آپ نفاذِ اسلام کا کیا طریقہ دیکھتے ہیں، اسلام کیسے نافذ کرنا چاہتے ہیں، تبلیغ کے ذریعے کر سکتے ہیں یا طاقت سے؟

جواب: بڑی تلخ حقیقتیں ہیں اِن کو نہ ہی چھیڑا جائے تو اچھی بات ہے۔ پاکستان بنانے میں، نفاذِ اسلام کا نعرہ شروع سے ہی سیاسی نعرہ تھا۔ مجھے یاد ہے ڈاکٹر غلام مرتضیٰ مرحوم نے مجھے یہ سنایا کہ ہم جب گورنمنٹ کالج لاہور میں تھے تو تقریب ہوئی۔ بانیانِ پاکستان میں سے اُس وقت راجہ غضنفر علی لاہور میں تھے اور زندہ تھے، ضعیف تھے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ ہم لڑکوں نے سوچا کہ پاکستان کے حق میں یہ تقریب ہو رہی ہے تو راجا صاحب کو مہمان خصوصی بلایا جائے۔ ہم گئے، دولت خانے پر حاضر ہوئے، ان سے درخواست کی تو انہوں نے کہا، بھئی یہ فضول بات کیوں لے آئے ہو۔ ہمارا کوئی مقصد تھا نفاذِ اسلام کا؟ ہم باقی سارے تیر چلا چکے تھے کامیابی نہیں ہو رہی تھی۔ لوگ ہمیں ووٹ نہیں دے رہے تھے تو ہم نے نفاذ اسلام کا یہ تیر چلایا، لوگوں کو متوجہ کرنے اور ووٹ لینے کے لیے اور یہ چل گیا۔ اب اس کی اس سے زیادہ کیا حیثیت ہے کہ میں تمہارے جلسے میں آؤں، صدارت کروں اور تقریریں کروں۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ تھے کہ وہ کہنے لگے، ''ہم نے قوم سے ایک جھوٹ بولا تھا۔'' ڈاکٹر صاحب کہنے لگے کہ میں نے ان سے کہا کہ اللہ کرے کہ آپ اب جھوٹ بول رہے ہوں۔ آپ نہیں آتے نہ آئیں، جلسہ تو ہوگا۔ یہ بڑی تلخ حقیقت ہے کہ بانیانِ پاکستان کا مقصد نفاذِ اسلام نہیں تھا۔ کچھ اور اس سے بھی زیادہ تلخ حقائق ہیں جو میں نہیں کہنا چاہتا۔ یہ وہ حقیقتیں ہیں جنہیں ہمیں قبول کرنا چاہیے۔ پاکستان بنا تو جو لوگ ملک سے غداری کر کے انگریز کے وفادار تھے باگ ڈور انہیں کے ہاتھوں میں آئی۔ اور پاکستان بنانے والوں میں سرِ فہرست تو محمد علی جناح تھے جو غریب سڑک کے کنارے بلک بلک کر مر گئے حالانکہ پاکستان کے سربراہ تھے۔ اور مرتے وقت انہیں کسی نے پانی کا گھونٹ بھی نہیں دیا تھا۔ مرنے کے بعد پھر سارے جمع ہو گئے اور تب سے اب تک چند مخصوص خاندان جو اس دوڑ میں شامل ہو کر لوٹ مار کر کے رئیس بن گئے، وہ ایک ہی طبقہ جو اس پر حکومت کر رہا ہے اور وہ اپنے مفادات کی خوب نگہداشت کرتے ہیں۔ قوم اور ملک کو انہوں نے اقتدار یا حصولِ زر کا ایک ذریعہ بنایا ہوا ہے ان سیاستدانوں اور ان لوگوں سے توقعات رکھنا ایک عجیب بات ہے۔ یہ سارے وہ لوگ ہیں جو اپنے ساڑھے تین ہاتھ کے بدن پر تو اسلام نافذ نہیں کر سکتے تو ملک پر کیا کریں گے۔ بلکہ یہ اسلام کے نام سے ڈرے ہوئے ہیں کہ اگر اسلام آ جائے تو ہماری عیش و عشرت میں فرق آ جائے گا، عیاشی میں فرق آ جائے گا۔ یہ ایک عجیب قوم ہے۔ اور یہ لوگ تو خیر ہیں ہی عجیب وغریب! ہم لوگ بھی عجیب وغریب ہیں جو اِن کے ظلم سہہ رہے ہیں۔ اس میں سارا ہاتھ ان کا نہیں، ہمارا اپنا ہاتھ بھی ہے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا آدمی بھی اپنے ذاتی مفادات سوچتا رہتا ہے اور مختلف لوگوں سے

اُمیدیں وابستہ کرتا رہتا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کسی سیاستدان کو کوئی بڑا نیک یا پارسا سمجھ کر کوئی بڑے خلوص سے ووٹ دیتا ہے۔ ہر ایک کے اپنے مفادات ہوتے ہیں، اُمیدیں ہوتی ہیں۔ان میں سے کوئی بھی پوری نہ ہو لیکن دیتے اسی پر ہیں۔

رہی یہ بات کہ اسلام وطنِ عزیز کا مقدر ہے تو انشاء اللہ یہ ہوگا، یہ ہو کر رہے گا۔ جو کچھ قدرت کرنا چاہتی ہے وہ ہو کر رہتا ہے لیکن قدرت کا ایک نظام ہے۔ ہر چیز اپنے اپنے وقت کی محتاج ہوتی ہے۔ جب اس کا وقت آتا ہے تو انسان کو سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیسے ہو گیا لیکن وہ ہو جاتا ہے۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے کہ ہم اس کے لیے کیا کر رہے ہیں تو ہم نصف صدی سے افراد کے ساتھ محنت کر رہے ہیں۔ اور ایک ایک فرد کو مجسم پاکستان بنانے کی سعی کر رہے ہیں۔ اگر یہ اٹھارہ یا بیس کروڑ لوگوں کا مُلک ہے تو ہر شخص اس کا بیس کروڑاں حصہ ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسی طاقت نہیں ہے کوئی قوت نہیں ہے کہ ہم زبردستی لوگوں کو مجبور کر دیں۔ ہمارے پاس جو اللہ نے وسائل دیے ہیں وہ یہ ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں اسلام کو بسائیں اور ایسا بسائیں کہ وہ ان کے قلوب پہ نافذ ہو جائے۔ اُن کے کردار پر نظر آئے، ان کے کاروبار سے نظر آئے، ان کی کدوکاوش سے نظر آئے۔ تو الحمدللہ ایک قوم بن رہی ہے۔ ایسے افراد تیار ہو رہے ہیں جو بڑے خلوص سے دین سے، اللہ سے اللہ کے رسول ﷺ سے، اللہ کی کتاب سے محبت کرنے والے ہیں۔ انشاء اللہ بالآخر یہ لوگ ہی غالب آئیں گے۔ دین، دین دار لوگ نافذ کرتے ہیں، بے دینوں سے دین نافذ نہیں ہوتا۔ ہر آدمی جس مزاج، جس قماش کا ہوتا ہے اسی طرح کے کام کرتا ہے۔ تو کئی آئے کئی گزر گئے، کئی نئے نئے کھلاڑی آ رہے ہیں۔ ہر آنے والا اسلام، اسلام کے نعرے تو لگاتا ہے لیکن دیکھا جائے تو ان کی اپنی زندگیاں ویران اور اسلام کے برعکس ہیں۔ عوام سادہ ہیں ان کے نعروں پہ اعتبار کر لیتے ہیں۔ اور یہ عجیب قوم ہے کہ ہمیشہ اپنے پر تجربے کرتی رہتی ہے، یہ نہیں سوچتی کہ جب تک ہم اپنی اصلاح نہیں کریں گے، سارے مُلک کی اصلاح کیسے ہوگی اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ (الرعد:11)

جب تک لوگ اپنے آپ میں تبدیلی پیدا نہیں کرتے، قدرت کی طرف سے انہیں تبدیلی نصیب نہیں ہوتی۔ بُرائی کی طرف جاتے ہیں تو انہیں سزائیں نصیب ہوتی ہیں۔ خلوص کے ساتھ نیکی کی طرف آتے ہیں تو ہر چیز کا اپنا ایک اثر ہوتا ہے۔ ایک دائرہ کار ہوتا ہے۔ آپ کوئی بات کرتے ہیں یا کوئی کام کرتے ہیں تو جس طرح آپ تالاب میں ایک کنکر پھینکتے ہیں چھوٹا ہوتا ہے یا بڑا، وہ لہریں پیدا کرتا ہے جو دوسرے کنارے تک جاتی ہیں۔ اسی طرح ہر قول، ہر فعل فضا میں ایک کیفیت پیدا کرتا ہے جو پوری فضا کو متاثر کرتا ہے۔ اب اگر ہمارے فعل غیر شرعی ہیں تو کیفیات بھی دھواں اور کثافت سے پُر ہوں گی، وہ معاشرے میں پھیلیں گی۔ اگر ہمارے اقوال واعمال نیک ہوں گے، صاف ستھرے ہوں گے، شریعت کے مطابق ہوں گے، ان سے جو کیفیات معاشرے میں پھیلیں گی ان میں روشنی ہوگی، نور ہوگا اور رحمت الٰہی کی امین ہوں گی۔ تو جب تک افراد تبدیل نہیں ہوتے حالات نہیں بدلتے۔ افراد بدل جائیں تو حالات کو بدل دیتے ہیں اور حالات کو بدلنے کے لیے برسوں نہیں چاہیے ہوتے اگر بدلنا چاہیں تو لمحوں میں بدل جاتے ہیں۔ فرد کو بدلنے کے لیے ایک لمحہ چاہیے ہوتا ہے۔ اُس لمحے میں وہ فیصلہ کرتا ہے کہ اُسے کس طرف جانا ہے۔ جو ہمارے بس میں اللہ نے دیا ہے اللہ نے جتنی قوت وطاقت ہمیں دی ہے ہماری ساری کاوش محض اصلاح احوال کے لیے ہے۔ ہمیں اقتدار کی خواہش ہے نہ زرو جواہر کی۔ الحمدللہ! یہ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے ان چیزوں سے مستغنی فرما دیا ہے۔ ایک سعی ہے جو صرف وطن میں ہی نہیں پوری دنیا میں ہم کر رہے ہیں۔ اور یہ مشکل ترین کام ہے کہ افراد کی سوچوں کو، ارادوں کو، دلوں کو مثبت انداز میں تبدیل کیا جائے۔ ایک بڑی سے بڑی عمارت کو گرانے کے لیے ایک دھماکہ کافی ہوتا ہے، لیکن بنانے کے لیے ایک ایک اینٹ، ایک ایک روڑا لگانا پڑتا ہے۔ تو وقت کافی لگتا ہے۔ تخریب آسان ہوتی ہے لیکن تعمیر مشکل اور محنت طلب عمل ہے۔ اللہ کریم کا شکر ہے، اللہ

کرے کہ وطن عزیز میں اُن لوگوں کی کثرت ہوجائے تو تبدیلی از خود آجائے گی اور اس کے لیے آپ سب جو آج یہاں بیٹھے ہیں کی بھی ذمہ داری ہے کہ جو مثبت تبدیلی آپ کو نصیب ہوتی ہے اُسے آگے بانٹیں۔ زیادہ سے زیادہ کوشش کریں کہ یہ مخلص، اللہ والے لوگ زیادہ ہوجائیں۔ کوئی کسی ایک مسلک یا طریقے کی ضد نہیں ہے، بات اللہ کریم کی اطاعت کی ہے، بات حقیقی اور صحیح عقائد کے اندر رہنے کی ہے۔ ہر بندے کی قوت کار اور استعداد ہوتی ہے اور وہ اس کے مطابق ہی کوشش کرسکتا ہے۔ لیکن خلوصِ دل سے اس میں محنت کریں، مجاہدہ کریں۔ یہ اپنی نجات اور اللہ سے مغفرت پانے کا سبب بھی ہے اور قوم اور ملک کی تقدیر کو بدلنے کا سبب بھی ہے۔ اس میں کتنی کوشش ہوتی ہے، کتنا وقت لگتا ہے، کب وہ لمحہ آتا ہے۔ ہماری زندگی میں آتا ہے یا ہمارے بعد آتا ہے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ دیکھا یہ جائے گا کہ کون کس آرزو کے لیے جیتا رہا، کس کام کے لیے محنت کرتا رہا۔ اللہ کریم بندوں کے محتاج نہیں ہیں کہ کسی بندے نے اس کا کام کرنا ہے۔ بندے اپنی آزمائش میں ہیں۔ کہ کس کی نیت اور ارادہ کیا ہے، کس ارادے اور نیت سے وہ اپنی اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو استعمال کررہا ہے۔ بات تو اس پر بنتی ہے۔

جہاں تک اس ملک کے مقدر کا تعلق ہے تو میں اسے نبی کریم ﷺ کی اُس حدیث کریم کی روشنی میں دیکھتا ہوں۔ جس میں آپ ﷺ نے غزوۃ الہند کی خبر دی ہے۔ الہند، برصغیر کو کہتے ہیں۔ بہت عرصہ پہلے، نوے کی دہائی سے میں نے یہ بات کہی تھی تو لوگ مذاق بھی اڑاتے تھے، طنز بھی کرتے تھے، کچھ حیران بھی ہوتے تھے۔ اپنا اپنا ردِعمل تھا کہ یہ عجیب وغریب بات ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں یہ بات نظر آتی ہے کہ کافر طاقتیں بھی گٹھ جوڑ کریں گی، یکجا ہوں گی اور دینی قوتیں بھی یکجا ہوں گی اور یہی الہند، برصغیر کفر و اسلام کے مقابلے کا میدان بنے گا۔ مسلمانوں کو فتح ہوگی اور انشاء اللہ اسلام نافذ ہوگا اور پھر دنیا پر پھیلے گا۔ اور اس دفعہ ہندوستان، پاکستان کا حصہ بنے گا۔ برصغیر بنے گا۔ اب لوگ حیران نہیں ہوتے بلکہ حالات کو دیکھ کر خود اندازہ لگاتے ہیں کہ اب ساری چیزیں اُسی طرف جارہی ہیں۔ وہی صورتحال بنتی جارہی ہے۔ طاغوتی طاقتیں اپنی کوششیں کرتی رہتی ہیں لیکن وہ ناکام نامراد ہوتی ہیں۔ اگر ہم پر برائی مسلط ہے یا ظلم مسلط ہے تو اس میں زیادہ حصہ ہمارا اپنا ہے۔ ہم اپنی ذاتی خواہشات کی رو میں بہہ کر کسی نہ کسی کو اُوپر لے آتے ہیں اور پھر بیٹھے روتے رہتے ہیں پھر دوسرے ہی دن سے دعائیں شروع کردیتے ہیں کہ اللہ ہماری اس سے جان چھڑا۔ یہ نہیں سوچتے کہ یہ تو ہمارا اپنا کیا دھرا ہے۔ جو کام آپ خود کرتے ہیں اس کی اصلاح بھی تو خود کریں۔ اگر آپ اپنی اصلاح کریں تو شائد کوئی ایسی طاقت آپ پر مسلّط نہ ہوسکے۔ ہم سارا الزام حکمرانوں کو دیتے رہتے ہیں لیکن بنیادی قصور ہمارا ہوتا ہے۔ اور ہم بڑے سستے بکتے ہیں، بہت سستے۔ اللہ کریم لوگوں کو ہدایت دے، ہمیں بھی ہدایت پر رکھے اور ہماری اُمیدیں اپنی بارگاہ سے وابستہ کرے تب بات بنے گی۔ جب تک ہماری اُمیدیں بندوں سے وابستہ ہوں گی تب تک ہمارا اپنا اسلام مکمل نہیں ہے تو ملک پر اسلام کیسے نافذ ہوگا اور کون نافذ کرے گا۔ تو لوگوں کی تقدیر بدلنے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کوئی کثرت ہی تبدیلی لاتی ہے۔ دو چار بندے کھڑے ہوجاتے ہیں تو ملک میں انقلاب آجاتا ہے۔ انقلابات کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو کہیں بھی لوگوں کی کثرت، تبدیلی لاتی ہوئی دکھائی نہیں دیتی۔ معدودے چند لوگ ہوتے ہیں جو اپنے مشن پہ کھڑے ہوجاتے ہیں اور وہ ہوجاتا ہے۔ لیکن ہر کام کا اپنا ایک معین وقت ہے۔ ہماری کوشش ہے کہ جب وہ وقت آئے تو اُس کے لیے بہت سے لوگ تیار کریں وہ کررہے ہیں۔ الحمدللہ! اللہ قبول فرمائے لیکن یہ انشاء اللہ ہوکر رہے گا۔ عدل ہوگا، انصاف ہوگا، اسلامی ریاست ہوگی انشاء اللہ اور پوری دنیا پر اسلام پھیلانے کی بنیاد یہ برصغیر ہی ہوگا۔ ایک ایک فرد کی ایک ایک بات اور ایک ایک جملے اور ایک ایک عمل سے ایک اثر پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے آپ کا تجزیہ کریں اور صرف یہ ذمہ داری لے لیں کہ نفاذِ اسلام کے لیے میں کیا کررہا ہوں تو اللہ کرے یہ کام بہت جلدی ہوجائے گا۔ لیکن ہم ہمیشہ یہ سوچتے ہیں کہ

اس کے لیے کوئی کیا کررہا ہے۔ بھئی یہ تمنا اور آرزو تو ہماری ہے تو کوئی دوسرا اسے کیوں کرے گا؟

میں اگر یہ چاہتا ہوں کہ اچھا سا گھر بناؤں تو میں یہ سوچنا شروع کردوں کہ میرا گھر بنانے کے لیے سیاستدان کیا کر رہا ہے، فوجی کیا کر رہے ہیں، فلاں لیڈر کیا کر رہا ہے تو کیا یہ صحیح ہوگا؟ یہ تو جاہلانہ سوچ ہوگی۔ اُنہیں کیا خبر کہ میری یہ آرزو ہے، انہیں کیا ضرورت کہ وہ میری آرزو کی تکمیل کریں۔ اُن کی اپنی آرزوئیں ہوں گی، ان کی اپنی خواہشات ہوں گی، اُن کے اپنے ارادے ہوں گے تو مجھے اپنے گھر کے لیے خود فکر کرنی ہوگی کہ میں اس کے لیے کتنا سرمایہ جمع کرسکتا ہوں، کتنی عمارت بنانا میرے بس میں ہے، کتنا اینٹ گارا لاسکتا ہوں، کتنا میٹریل اکٹھا کرسکتا ہوں تو اگر ہم واقعی یہ چاہتے ہیں کہ ملک پر اسلام نافذ ہو اور یہ اسلامی ریاست بنے تو پھر ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ جب میری یہ آرزو ہے تو اس کے لیے میں میٹریل کیا جمع کر رہا ہوں؟ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ میری تو خیر ہے میں جو بھی کرتا رہوں لیکن اسلام نافذ ہونا چاہیے۔ اس طرح نہیں ہوتا۔ اسلام کی تاریخ پڑھ لیجیے کہ صحابہ کرامؓ مہاجر ہو کر مدینہ منورہ آئے۔ مہاجرین کے پاس نہ سرمایہ تھا نہ گھر، زمینیں تھیں نہ ہتھیار، نہ اسلحہ تھا۔ انصارؓ نے، اللہ اُن سب پر کروڑوں رحمتیں فرمائے، اپنے گھر بار، جائیدادیں مہاجرین سے بانٹ لیں۔ اُنہیں مدینہ منورہ میں بسالیا تو دنیا بھر کی کافر طاقتوں نے ان کی طرف اپنے طوفانوں کا رخ کرلیا۔ مشرکین و کفار نے تو یہ سوچا تھا کہ بے گھر ہو کر یہ دربدر ہوجائیں گے، افلاس کی نذر ہوجائیں گے، اپنے آپ کو نہیں سنبھال سکیں گے، کسی قابل نہ رہیں گے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ تو (Settle) ہوگئے ہیں، انہوں نے زراعت شروع کردی ہے، کاروبار شروع کردیا ہے، کام شروع کردیے ہیں، کل کو تو یہ ایک قوت بن جائیں گے تو طاغوتی طاقتیں ان کو مٹانے کے لیے لپکیں۔ لیکن اللہ نے مدینہ منورہ کی ریاست کو استحکام بخشا۔ صحابہؓ نے جہاد کیے، ریاست اسلامی کا دفاع کیا۔ دنیا نے دیکھا کہ دس سالہ عہدِ مدنی میں پورا جزیرۂ عرب اسلام کے زیرنگیں آگیا۔ یہ 23 سالہ عہد نبوت ﷺ تھا۔ وصالِ نبوی کے بعد خلافت راشدہ کی 23 سال تاریخ دیکھیں تو 23 سال میں معلوم دنیا کے تین حصوں پر اسلامی ریاست بن چکی تھی۔ باقی کا چوتھا حصہ بھی اسلام سے ناواقف نہیں تھا۔ اس کی بنیادی وجہ اُن کا کھرا پن تھا۔ یا تو وہ اسلام کو قبول نہیں کرتے تھے اور جو اسلام قبول کرتا تھا وہ مجسم اسلام بن جاتا تھا۔ ہماری طرح نہیں ہوتا تھا کہ نماز کے وقت نماز پڑھ لی اور دکان پر گئے تو دھوکہ دینے لگ گئے۔ مسجد میں آئے تو سجدہ کرلیا، باہر نکلے تو جھوٹ بول لیا۔ نہیں، وہ گھر میں بھی، کاروبار میں بھی، میدان عمل میں بھی، ہر جگہ پکے اور سچے مسلمان تھے اور اسلام کے نمائندے بن جایا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ قرآن کریم کے مثالی مسلمان ہیں جن کی اللہ نے مثالیں دی ہیں کہ مسلمان ایسے ہوتے ہیں۔ اللہ ہمیں بھی وہ جذبہ جنوں عطا کرے کہ ہم اپنی حیثیت کے مطابق اپنے آپ کو اسلام میں ڈھال سکیں تو انشاء اللہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے اور اللہ کرے گا، ہاں! میرا یہ یقین ہے کہ ایسا ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز۔

جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے، ہم اُس کے لیے محنت کرسکتے ہیں، کوشش کرسکتے ہیں جو اللہ کریم کے احسان سے ہم دن رات کر رہے ہیں۔ الحمدللہ! اللہ کریم ہم سب کو اور آپ سب کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے کہ آپ اس فلسفے کو سمجھیں اور اس دین پر عمل کرنے کی کیفیت کو عام کریں، پھیلائیں۔ دل میں اللہ کا گھر ہوگا تو دل اطاعتِ الٰہی کو چاہے گا۔ دل چاہے گا تو سارا بدن اطاعتِ الٰہی کرے گا۔ اللہ اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ O

اطلاع برائے ممبران المرشد

ممبران سے التماس ہے کہ المرشد نہ ملنے کی صورت میں فوری طور پر سرکولیشن منیجر محمد اسلم شاہد سے رابطہ کریں۔ شکریہ

042-35180381,0303-4409395

ایڈیٹر المرشد

شوال المکرّم اور غزوہ اُحد

شوال المکرم اسلامی سال کا دسواں اور بہت فضیلتوں والا مہینہ ہے اس مہینہ کی ابتدائی رات اور ابتدائی دن یعنی عید کے روز بے شمار لوگوں کے گناہ ان کے نامۂ اعمال سے اللہ تعالیٰ اٹھادیتے ہیں۔اس لئے بقول بعض اس مہینہ کا نام شوال تجویز کیا گیا❶۔

اس کو مندرجہ ذیل وجوہات سے فضیلت حاصل ہے یہی وہ مہینہ ہے جس میں عظیم اسلامی تہوار ''عید الفطر'' ادا کیا جاتا ہے اور کیونکہ اس مہینے کے شروع ہوتے ہی روزے کی فرضیت کا زمانہ مکمل ہوجاتا ہے اور کھانا پینا حلال ہوجاتا ہے اس لئے اس تہوار کا نام عید الفطر (افطار کی خوشی) تجویز کیا گیا ہے اور اس دن کی بدولت صدقۂ فطر کو لازم کیا گیا اور اس کے عظیم فضائل بیان کئے گئے ہیں۔اس کے علاوہ شوال کے مہینے کو یہ شرف اور اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس مہینے سے اسلام کی اہم عبادت اور فریضے ''حج'' کا زمانہ شروع ہوتا ہے اس لئے اس مہینے کو حج کے مہینوں مین شمار کیا جاتا ہے، اس طرح اس مہینے کو حج کے ساتھ بھی ایک نسبت قائم ہے جو فضیلت کی حامل ہے شوال کے مہینہ میں چھ نفلی روزے رکھنے کی بھی عظیم فضیلت ہے۔اس مہینے میں چھ روزے رکھنے کا ثواب رمضان کے روزوں کی طرح دس گنا ہے یعنی 60 روزوں کا ثواب ملتا ہے اس طرح رمضان کے تیس اور شوال کے 6 روزے ملا کر 360 روزوں یعنی پورے سال کے روزوں کا ثواب ملتا ہے۔

اس مہینہ میں اسلامی تاریخ کے اہم ترین واقعات میں سے ایک یعنی غزوۂ احد وقوع پذیر ہوا۔اس اہم واقعہ کی تفصیل مولانا شبلی نعمانی کی کتاب سیرت النبی سے پیش کی جارہی ہے۔

غزوۂ اُحد

وَ لَا تَهِنُوۡا وَ لَا تَحۡزَنُوۡا وَ اَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ (آل عمران:139)❷

ترجمہ:اور تم ہمّت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی ہوگے اگر تم پورے مومن رہے۔

عرب میں صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا جو سینکڑوں برس تک ختم نہیں ہوسکتا تھا۔طرفین میں سے جس کو شکست ہوتی وہ انتقام کو ایسا فرض مؤبّد جانتا تھا جس

❶ عن ابن عمر قال انما سمی رمضان لان الذنوب ترمض فیہ وانما سمی شوال الانہ یشول (ای یرفع) الذنوب کما تشول الناقۃ ذنبھا (کنز العمال،ج8،ص588،رقم 24284)

❶ مدینہ منورہ سے شمال کی جانب تقریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے
❷ صحیح بخاری باب غزوۂ اُحد میں ہے کہ یہ آیت غزوۂ اُحد میں نازل ہوئی۔

کے ادا کیے بغیر اس کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ بدر میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے جن میں اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج وافسر تھے۔ اس بنا پر تمام مکہ جوشِ انتقام سے لبریز تھا۔

قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگ بدر کے زمانے میں نفع کثیر کے ساتھ شام سے واپس آ رہا تھا، اس کا راس المال حصہ داروں کو تقسیم کر دیا گیا تھا۔ لیکن زرِ منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا۔

جنگ کے لیے قریش کا سامان:

قریش کو کشتگان بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کرنے کا خیال آیا۔ چند سردارانِ قریش جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، اُن لوگوں کو جن کے عزیز و اقارب جنگ بدر میں قتل ہو چکے تھے، ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا۔ اب انتقام کا وقت ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ مالِ تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے وہ اس کام میں صرف کیا جائے۔" یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی۔ لیکن قریش کو اب مسلمانوں کی قوت وزور کا اندازہ ہو چکا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگِ بدر میں وہ جس سامان سے گئے تھے اس سے اب کچھ زیادہ درکار ہے۔ عرب میں جوش پھیلانے اور دلوں کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا۔ قریش میں دو شاعر شاعری میں مشہور تھے۔ عمرو جمحی اور مسافع۔ عمرو جمحی غزوۂ بدر میں گرفتار ہو گیا تھا۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتضائے رحم سے اس کو رہا کر دیا تھا۔ قریش کی درخواست پر وہ اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبائل قریش میں اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے۔

خواتین قریش کی شرکت:

لڑائیوں میں ثابت قدمی اور جوش جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونانِ حرم تھیں۔ جس لڑائی میں خاتونیں ساتھ ہوتی تھیں عرب جانوں پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہوگی تو عورتیں بے حرمت ہوں گی۔ بہت سی عورتیں ایسی تھیں جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھی اس لئے وہ خود جوش انتقام سے لبریز تھیں اور انہوں نے منتیں مانی تھیں کہ اولاد کے قاتلوں کا خون پی کر دم لیں گے۔ غرض جب فوجیں تیار ہوئی تو بڑے بڑے معزز گھرانوں کی عورتیں بھی فوج میں شامل ہوئیں۔ ان میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں ❶

1۔ ہند	عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی ماں
2۔ اُمِّ حکیم	عکرمہ (فرزندِ ابوجہل) کی بیوی
3۔ فاطمہ (بنت ولید)	حضرت خالدؓ کی بہن
4۔ برزَة	مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا، اس کی بیٹی
5۔ ریطہ	عمرو بن العاص کی زوجہ
6۔ خناس	حضرت مصعب بن عمیرؓ کی ماں

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر میں قتل کیا تھا۔ جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا۔

❶ طبری، ج سوم، زرقانی، ج چہارم نے ان چند خواتین کے سوا سلافہ بنت سعد اور عمیرہ دو اور خاتونوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں خناس اور عمیرہ کے سوا باقی خواتین بعد کو مسلمان ہوگئیں خناس اور عمیرہ کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہیں وزرقانی علی المواہب ہیں۔

حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگزاری کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا۔

حضرت عباسؓ رسول اللہ ﷺ کے چچا گو اسلام لا چکے تھے لیکن اب تک مکہ ہی میں مقیم تھے۔ انہوں نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجے اور قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن میں مدینہ پہنچ جائے۔

مسلمانوں کی مدافعت کے لیے تیاری:

آنحضرت ﷺ کو یہ خبریں پہنچیں تو آپ ﷺ نے پانچویں شوال 3 ہجری کو دو خبر رساں لشکر جن کے نام انس اور مونس تھے، خبر لانے کے لئے بھیجے۔ انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آ گیا اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر دیا۔

آپ ﷺ نے حباب بن منذرؓ کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائیں۔ انہوں نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی۔ چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا، ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبوی ﷺ کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے۔

صبح کو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول جواب تک کبھی شریک مشورہ ❶ نہیں کیا گیا تھا، اس نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن ان نوخیز ❷ صحابہؓ نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے۔ آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے۔ اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا۔ سب نے عرض کی کہ ہم اپنی رائے سے باز آتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اُتار دے۔

مسلمان سپاہیوں کی جمعیت:

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہِ اُحد پر پڑاؤ ڈالا۔ آنحضرت ﷺ جمعہ کے دن نمازِ جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکلے۔ عبداللہ بن ابی تین سو کی جمعیت لے کر آیا تھا۔ لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ "محمد ﷺ نے میری رائے نہ مانی۔" آنحضرت ﷺ کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے ان میں ایک سو زرہ پوش تھے۔ مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا اور جو لوگ کمسن تھے واپس کر دئے گئے۔ ان میں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت برار بن عازبؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرابۃ اوسیؓ بھی تھے۔ لیکن جان نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانوں میں سے جب حضرت رافع بن حدیجؓ سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو واپس جاؤ تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہوئے کہ قد اونچا نظر آئے۔ چنانچہ ان کی یہ ترکیب چل گئی اور وہ لے لئے گئے ❶۔ سمرۃ ایک نوجوان جوان

---

❶ طبری، جلد سوم ص ❷ زرقانی، ج دوم ص۔

❶ طبری، جلد دوم (یہ طبری کی روایت ہے۔ لیکن بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافعؓ کو اجازت مل جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نوجوانی ہی میں تیراندازی میں کمال رکھتے تھے۔ حضور ﷺ کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا تو ان کو شرکت کی اجازت دے دی۔ ابنِ ہشام ذکر غزوۂ اُحد و زرقانی، ج دوم و بدایہ ابن کثیر، ج چہارم) ص

کے ہمسن تھے، انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ میں رافعؓ کو لڑائی میں بچھاڑ لیتا ہوں اس لئے اگر ان کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہئے۔ دونوں کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرۃ نے رافعؓ کو زمین پر دے مارا۔ اس بنا پر ان کو اجازت مل گئی۔

فریقین کی صف بندی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو علم عنایت کیا۔ حضرت زبیر بن العوامؓ رسالے کے افسر مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہؓ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھے۔ پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن اُدھر سے آئیں اس لئے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹیں۔'' حضرت عبداللہ بن جبیرؓ ان تیر اندازوں کے افسر مقرر ہوئے۔

قریش کو بدر میں تجربہ ہو چکا تھا اس لئے انہوں نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا۔ میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے۔ سواروں کا دستہ صفوان ابن اُمیہ کی کمان میں تھا جو قریش کا مشہور رئیس تھا۔ تیر اندازوں کے دستے الگ تھے جن کا افسر عبداللہ بن ابی ربیعۃ تھا۔ طلحہ علمبردار تھا۔ دو سو گھوڑے کوتل رکاب میں تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئیں۔

خاتونانِ قریش کا ترانہ جنگ:

سب سے پہلے طبلِ جنگ کے بجائے خاتونانِ قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں جن میں کشتگانِ بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے۔ ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں اشعار یہ تھے:

نحن بنات طارق — ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں
نمشی علی النمارق — ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق — اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم سے گلے میں گے
او تدبروا نفارق — اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائیںگے

آغاز جنگ:

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو عامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبول عام شخص تھا اور مدینہ چھوڑ کر مکہ میں آباد ہو گیا تھا۔ ڈیڑھ سو آدمیوں کے ساتھ میدان میں آیا۔ اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اس کی عزت کرتا تھا۔ چونکہ اس کو خیال تھا کہ انصار جب اس کو دیکھیں گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دیں گے میدان میں آ کر پکارا مجھ کو پہچانتے ہو۔ میں ابو عامر ہوں انصار نے کہا ہاں اور بدکار ہم تجھ کو پہچانتے ہیں۔ خدا تیری آرزو برنہ لائے۔

قریش کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا'' کیوں مسلمانو! تم میں کوئی ہے کہ یا مجھ کو جلد دوزخ میں پہنچادے یا خود میرے ہاتھوں بہشت میں پہنچ جائے (1)۔ حضرت علی مرتضیٰؓ نے صف سے نکل کر کہا، ''میں ہوں'' ۔ یہ کہہ کر تلوار ماری اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی۔ طلحہ کے بعد اس کے بھائی عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں، علم ہاتھ میں لیا اور

(1) یہ اس بات پر طنز تھا کہ مسلمان ایسا سمجھتے ہیں

رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا۔

ان علی اهل اللواء حقا علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون

ان تخضب الصعدۃ او تندقا میں رنگ دے یا وہ ٹکرا ٹوٹ جائے

حضرت حمزہؓ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اُتر آئی۔ ساتھ ہی ان کی زبان سے نکلا کہ "میں ساقی، حجاج کا بیٹا ہوں۔"

اب عام جنگ شروع ہوگئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابودجانہؓ فوجوں کے دل میں گھسے اور صفیں کی صفیں صاف کردیں۔ حضرت حمزہؓ، حضرت ابودجانہؓ عرب کے مشہور پہلوان تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک میں تلوار لے کر فرمایا "کون اس کا حق ادا کرتا ہے؟" اس سعادت کے لئے دفعتۂ بہت سے ہاتھ بڑھے، لیکن یہ فخر حضرت ابودجانہؓ کے نصیب میں تھا۔ اس غیر متوقع عزت نے ان کو بادۂ شجاعت سے مست کردیا۔ سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔" حضرت ابودجانہؓ فوجوں کو چیرتے لاشوں پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ ہند سامنے آگئی اس کے سر پر تلوار رکھ کر اٹھالی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار اس قابل نہیں کی عورت پر آزمائی جائے۔

حضرت حمزہؓ دودستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفیں کی صفیں صاف ہوجاتی تھیں۔ اسی حالت میں سباغ غبشانی سامنے آگیا، پکارے کہ "او ختانۃ النسا کے بچے! کہاں جاتا ہے۔" یہ کہہ کر تلوار ماری وہ خاک پر ڈھیر تھا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت:

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور جس سے جبیر بن مطعم اس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر حمزہؓ کو قتل کردے تو آزاد کردیا جائے گا، حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا۔ حضرت حمزہؓ برابر آئے تو اس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہیں اور حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے، پھینک کر مارا، جو ناف میں لگا اور پار ہوگیا۔ حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے اور روح پرواز کرگئی۔

کفار کے علم بردار لڑ لڑ کر قتل ہوجاتے تھے تاہم علم گرنے نہیں پاتا تھا۔ ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھ کر علم کو ہاتھ میں لے لیتا تھا۔ ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا جب علم ہاتھ میں لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونوں ہاتھ ساتھ کٹ کر گر پڑے، لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھوں سے خاک پر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا اور علم کو سینے سے دبالیا۔ اس حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ میں نے اپنا فرض ادا کردیا۔ علم دیر تک خاک پر پڑا رہا۔ آخر ایک بہادر خاتون (عمرۃ بنت علقمہ) دلیرانہ بڑھی اور علم کو ہاتھ میں لے کر بلند کیا۔ یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اُکھڑے ہوئے پاؤں پھر جم گئے۔

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا لیکن اس کے بیٹے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے۔ انہوں نے آنحضرت سے باپ کے مقابلہ میں لڑنے کی اجازت مانگی لیکن رحمت عالم ﷺ نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے۔ حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سپہ سالار (ابوسفیان) پر حملہ کیا اور قریب تھا کہ ان کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے دفعتہً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر ان کے وار کو روکا اور ان کو شہید کر دیا۔ تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانوں ہی کی طرف بھاری تھا۔ علم برداروں کے قتل اور حضرت علی اور حضرت ابودجانہؓ کے بے پناہ حملوں سے فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھیں بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹیں اور مطلع صاف ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی مسلمانوں نے مال غنیمت اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ یہ دیکھ کر تیر انداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے۔

قریش کا عقب سے حملہ:

حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا لیکن وہ رُک نہ سکے۔ تیر اندازوں کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا۔ عبداللہ بن جبیرؓ چند جانبازوں کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے۔ اب راستہ صاف تھا۔ خالد نے سواروں کے دستے کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا۔ لوگ مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے مڑ کر دیکھا تو تلواریں برس رہی ہیں۔ بدحواسی میں دونوں فوجیں اس طرح باہم مل گئیں کہ خود مسلمان مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی غلط خبر اُڑنا:

حضرت مصعب بن عمیرؓ جو آنحضرت ﷺ سے صورت میں مشابہ اور علم بردار تھے، ابن قمیہ نے اُن کو شہید کر دیا اور غل مچ گیا کہ آنحضرت ﷺ نے شہادت پائی۔ اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ بدحواسی میں اگلی صفیں پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑیں اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی۔ حضرت حذیفہؓ کے والد (یمان) اس کشمکش میں آ گئے اور ان پر تلواریں برس پڑیں حضرت حذیفہؓ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہیں لیکن کون سنتا تھا۔ غرض وہ شہید ہو گئے اور حضرت حذیفہؓ نے ایثار کے لہجہ میں کہا، "مسلمانو! خدا تم کو بخش دے۔" رسول اللہ ﷺ نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جاں نثار پہلو میں ہیں جن میں حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت ابودجانہؓ، حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے۔ صحیح بخاری میں یہ روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعد رہؓ گئے تھے۔

اس ہلچل اور اضطراب میں اکثروں نے تو بالکل ہمت ہار دی۔ لیکن جانبازوں کا بھی زور نہیں چلتا تھا، جو جہاں تھا وہیں گھر کر رہ گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی کسی کو خبر نہ تھی۔ حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنوں کی صفیں اُلٹتے جاتے تھے۔ لیکن

کعبہ مقصود رسول اللہ ﷺ کا پتہ نہ تھا۔ حضرت انسؓ کے چچا ابن نضرؓ لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے۔ دیکھا تو حضرت عمرؓ نے مایوس ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے پوچھا یہاں کیا کرتے ہو؟ بولے اب لڑ کر کیا کریں! رسول اللہ ﷺ نے تو شہادت پائی۔ ابن نضرؓ نے کہا ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ یہ کہہ کر فوج میں گھس گئے اور لڑ کر شہادت پائی۔ لڑائی کے بعد جب اُن کی لاش دیکھی گئی تو اسی سے زیادہ تیر، تلوار، اور نیزے کے زخم تھے۔ کوئی شخص پہچان تک نہ سکا۔ ان کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا۔

بعض صحابہؓ کی جان نثاریاں

جان نثاران خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہیں سرور عالمؐ کو ڈھونڈھتی تھیں۔ سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ کی نظر پڑی۔ چہرۂ مبارک پر مغفر تھا۔ لیکن آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت کعبؓ نے پہچان کر پکارا مسلمانو! رسول اللہ ﷺ یہ ہیں۔" یہ سُن کر ہر طرف سے جاں نثار ٹوٹ پڑے۔ کفار نے اب ہر طرف سے ہٹ کر اسی رُخ پر زور دیا۔ دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا۔ لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کون مجھ پر جان دیتا ہے! زیادہ بن سکنؓ پانچ انصار لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ حضرت زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ ان کا لاشہ قریب لاؤ۔ لوگ اُٹھا کر لائے۔ کچھ کچھ جان باقی تھی۔ قدموں پر منہ رکھ دیا اور اسی حالت میں جان دی۔

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیازمندے
کہ بہ وقت جاں سپردن بسرش رسیدہ باشی

ایک بہادر مسلمان اس عالم میں بھی بے پڑائی کے ساتھ کھڑا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر پوچھا کہ یارسول اللہ! اگر میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا۔" آپ ﷺ نے فرمایا "جنت میں"۔ اس بشارت سے بے خود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ مارا گیا۔

آنحضرت ﷺ کا زخمی ہونا

عبداللہ بن قمیہٗ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفوں کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت ﷺ کے قریب آ گیا اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری۔ اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیاں چہرۂ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں۔ چاروں طرف سے تلواریں اور تیر برس رہے تھے۔ یہ دیکھ کر جان نثاروں نے آپ ﷺ کو دائرہ میں لے لیا۔ ابودجانہؓ جھک کر سپر بن گئے۔ اب جو تیر آتے تھے ان کی پیٹھ پر آتے تھے۔ حضرت طلحہؓ نے تلواروں کو ہاتھ پر روکا۔ ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ بے درد رحمت عالم ﷺ پر تیر برسا رہے تھے اور آپ ﷺ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

رب اغفر قومی فانّھم لا یعلمون
اے خدا میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہیں

ضرورت رشتہ

دو بہنیں جن کی عمر 27، اور 28 سال ہے، تعلیم ماسٹرز کیا ہوا ہے، کے لئے سلسلہ عالیہ، خاص کر کراچی کے رہائشی اشخاص کا رشتہ درکار ہے۔
مندرجہ ذیل نمبر پر رابطہ کریں۔ 0300-3716792
0321-2492757

کمالِ نسبتِ اویسیہ

تحریر و تحقیق: نوید اشرف

گذشتہ سے پیوستہ

بزرگوں کے الہام اور ایک انفرادی خواب اور بشارت پر 1877 میں دارالعلوم کی وہ عمارت تعمیر ہوئی۔ جو نودرہ کے نام سے مشہور ہے آج بھی دارالعلوم دیوبند کے ترانہ میں اس انفرادی واقعہ کا تذکرہ بہت فخر سے کیا جاتا ہے۔

خود ساقی کوثر نے رکھی مئے خانے کی بنیاد یہاں

تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں

آج ہم دیکھتے ہیں الہامی اور کشفی بشارت پر قائم شدہ عمارت نے کسطرح ہماری نظریاتی بنیادوں کی حفاظت کی۔ بدعات خرافات اور رسومات میں سے کسطرح سنت نبوی ﷺ کو الگ کیا۔ بالکل اسی طرح آج سے 70 سال قبل اللہ کے ایک مقبول بندے مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف میں شامل بدعات وخرافات اور رسومات کو دور کرنے کیلئے سالکین کی تربیت بطریق نقشبندیہ اویسیہ شروع کی۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا لگایا ہوا پودا آج تناور درخت بن چکا ہے جس کی گھنی چھاؤں سے ایک عالم مستفیض ہو رہا ہے۔ بے شمار خرافات اور بدعات جو تصوف کے نام پر رائج ہوگئی تھیں ان کے سد باب کا ذریعہ اللہ کریم نے حضرت شیخ رحمۃ اللہ کو بنایا، بلکہ جو چیزیں سالکین کیلئے معمولی سے شک وشبہ کا باعث بھی بنتی ہوں انہیں بھی ختم کر دیا۔ مثلاً تصور شیخ جو کہ تقریباً تمام سلاسل میں مبتدی کیلئے لازم ہے۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دوربین نظروں سے محسوس کرلیا کہ اس سے لوگ مفہوم سمجھے بغیر شخصیت پرستی اور شرک کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ تو انہوں نے اسے سالکین کی تربیت کا حصہ نہیں بنایا۔ آج بھی سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ خرافات اور بدعات سے بالکل پاک ہے۔

اگر کوئی معترض یہ اعتراض کرے کہ اصل چیز دین پر استقامت ہے جس کے سامنے ان واقعات کی چنداں فضیلت نہیں تو جواب اسکا یہ ہے کہ دین پر استقامت کی صورت میں ہی اللہ کریم کی جانب سے یہ نعمت عطا ہوتی ہے۔۔ آج تک کسی فاسق و فاجر کو بارگاہ نبوی ﷺ کی حضوری نصیب نہیں ہوئی۔

سابق مفتی دارالعلوم دیوبند اور مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں

"خواب یا مکاشفہ میں جس کام کی طرف ہدایت معلوم ہوتی ہے اگر وہ کام ظاہر شریعت کے احکام کے خلاف نہ ہو تو اس پر عمل کرنے میں دین و دنیا کی بھلائی ہوگی۔ جب کسی بندہ پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے تو خواب کے ذریعے اس کو ایسی ہدایتیں دی جاتی ہیں"

جواہر الفقہ۔ص 171

ایک بزرگ صالح کو حضور ﷺ کی طرف سے دی جانے والی بشارت اور سکھلائی جانے والی دعا کا ذکر کرنے کے بعد مفتی

محمد شفیعؒ فرماتے ہیں۔

"ہر طبقہ کے مسلمان مرد و عورت مذکورہ دعاؤں اور اعمال کا خاص اہتمام کریں خود کریں اور دوسروں کو نرمی کے ساتھ اس کی طرف بلائیں۔ تعلیم گاہوں میں اساتذہ کرام 10 منٹ نکال کر یہ دعائیں کرلیا کریں۔ مساجد میں آئمہ مساجد ہر نماز کے بعد ان دعاؤں کا اہتمام کریں۔ کارخانوں میں کارخانہ مالکان اس کا اہتمام کریں کہ دن کی کسی ایک نماز میں سب کاریگروں کو جمع کر کے نماز ادا کریں اور پھر دعائیں مانگیں۔ اور کچھ اللہ کے بندے قومی اسمبلی اور سیاسی جلسوں میں بھی اسکا اہتمام کریں"

جواہر الفقہ۔ص176

گذشتہ اوراق میں درج کئے گئے واقعات سے یہ ثابت ہوا کہ بارگاہ نبوی ﷺ کی حاضری عارفین کاملین کی امتیازی خصوصیت ہے جو انہیں معاصرین سے ممتاز کرتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ آج ہم کھوٹے اور کھرے کی تمیز کرتے ہوئے اُن اہل اللہ تک پہنچنے کی کوشش کریں جو تصوف کے لبادہ میں موجود، بدعات، خرافات اور رسومات کی تہہ کو چیرتے ہوئے سنت نبوی ﷺ کا دامن تھامے طالب حقیقی کو اللہ کے روبرو کر دیتے ہیں۔ امام الہند شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد شاہ عبدالرحیمؒ نے اس نعمتِ عظمیٰ کی اہمیت پر جو بات کی ہے وہ حرف آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"ذلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء"

تحدیثِ نعمت

اہل اللہ اکثر اللہ کی طرف سے دی جانے والی نعمت کا اظہار مختلف پیرائے میں کرتے ہیں۔ جس میں کچھ بھی حیرانگی کی بات نہیں حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں" قاضی پور میں جب حضرت نانوتویؒ تشریف لے گئے تو روافض نے کہا کہ اگر آپ بیداری میں حضرت محمد ﷺ کی زیارت کروادیں اور حضور ﷺ اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمادیں کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو ہم اہل سنت والجماعت میں داخل ہو جائیں گے۔ فرمایا تم اس پر پختہ رہو تو میں بیداری میں زیارت کرانے کیلئے تیار ہوں مگر یہ روافض کچھ کچے ہو گئے۔"

ارواح ثلاثہ

حضرت مولانا اللہ یار خانؒ نے ایک بار بھرے مجمع میں کہا" مجھے اپنے چار آدمی دو، عمریں 30 سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے، نمازی ہوں، تبرے باز نہ ہوں کچھ مدت ساتھ رکھوں گا پھر انہیں حضور ﷺ سے دریافت کرادوں گا وہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ و عثمانؓ کو حضور ﷺ کے دائیں طرف متصل بیٹھے ہوئے دیکھ لیں گے، امام باقرؒ اور امام جعفرؒ سے دریافت کرادونگا"۔ ایک اور جگہ فرمایا

" آؤ میں تمہیں حقانیت کا مشاہدہ کرادوں۔ چھ آدمی منتخب کرو میں انہیں چھ ماہ تک اپنے پاس رکھوں گا کھانا اپنی مرضی کا دوں گا اور مجاہدہ میرے کہنے پر کریں گے۔ انشاء اللہ میں انہیں دکھادوں گا کہ آج بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ دربار نبوی ﷺ میں حضور ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آؤ اور خود مشاہدہ کرلو"

حیاتِ طیبہ

اہل اللہ کی زبان سے اکثر ایسے دعویٰ کا اظہار ہو جاتا ہے۔ پیر صاحب گولڑہ شریف مہر علی شاہؒ نے دورانِ مناظرہ

مرزائی مناظر سے کہا کہ "اگر ابھی دکھادوں کہ وہ جہنم میں پڑا ہے پھر مان لوگے ابھی میں مشاہدہ دکھادوں گا کہ وہ جہنم میں پڑا ہے"

ایسا ہی ایک واقعہ مقدمہ بہاولپور کے دوران پیش آیا جب حضرت علامہ انورشاہ کشمیری رحمتہ اللہ نے قادیانی وکیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

"اگر چاہو تو میں عدالت میں دکھا سکتا ہوں مرزا قادیانی جہنم میں جل رہا ہے"

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے عیسائی پادری فنڈر کو پیغام بھجوایا کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی پیروکار ہیں۔ اللہ کا حقیقی دین یعنی کہ دین اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ وہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور نبی علیہم السلام کا معجزہ بصورت کرامت باتباع نبی علیہم السلام اسکی امت کو ملتا ہے۔ میں اور تو دونوں کسی قبر پر چلتے ہیں اور قم باذن اللّٰہ کہتے ہیں جو سچا ہوگا اللہ کی مدد اس کے ساتھ ہوگی۔ عیسائی پادری یہ چیلنج قبول نہ کرسکا اور بھاگ گیا۔

حضرت شیخ المکرم مولانا اکرم اعوان مدظلہ العالی واقعہ کربلا سے قصیدہ گوئی اور افسانہ نگاری کو الگ کرتے ہوئے اصل واقعہ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں "الحمدللہ میں آج بھی ان ٹیلوں اور میدانوں کو دیکھ رہا ہوں مجھے کٹتے ہوئے سر اور تڑپتے ہوئے جسم دکھائی دے رہے ہیں۔ اڑتی ہوئی دھول حضرت حسینؓ پر وارد ہونے والی بلا کا پتہ دے رہی ہے۔ دونوں فریق دریا کے اس طرف ہیں۔ یہ بھی جھوٹ تراشا گیا کہ حضرت حسینؓ ایک طرف اور اعداء دوسری طرف تھے۔ عصر کا سورج ڈھلتے ڈھلتے اس قیامت کو دیکھتا جا رہا تھا جو ایک صالح مفتی اور اولادِ رسول ہاشمی پہ ٹوٹی ہے۔ اگر حوصلہ ہے تو آؤ بفضل اللہ تمہیں بھی دکھادوں گا کہ اصل واقعہ کیا ہے۔" راہی کرب وبلا

اہل اللہ سالکین کی تربیت اور تحدیث نعمت کے طور پر ان نعمتوں کا ذکر کیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ فرماتے ہیں۔

"سنو ہوش کرو مجھے اللہ نے باطن کی آنکھیں دی ہیں مجھے علم ہے کہ جو نوجوان انگریز کے تابعدار ہیں علماء کو گالیاں دیتے مرگئے ہیں ان کی قبریں جہنم کا گڑھا بنی ہیں۔ اگر تم کو یقین نہیں آتا تو میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ میں نے یہ فن چالیس سال میں سیکھا ہے تم کو چار سال میں سکھا دوں گا"

خدام الدین شیخ التفسیر۔ ص41

حضرت شیخ المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی فرماتے ہیں" مجھ پر اللہ کا احسان ہے اک نگاہ میں کسی شخص کے وجود کے ذرے ذرے کو اللہ اللہ سکھا سکتا ہوں۔ جس کام کیلئے برسوں لگتے ہیں وہ بات میں ایک لمحہ میں کرسکتا ہوں یہ اللہ کی عطا ہے"

ہدایات شیخ

ایسے بیشمار ارشادات اہل اللہ کی زبان سے اکثر ظاہر ہوتے ہیں اور سمجھنے والوں کیلئے اس میں کوئی حیرانگی کی بات نہیں۔ اللہ کے مقبول بندے انتہائی عجز وانکسار کا پیکر ہوتے ہیں لیکن یہ اللہ کی عطا کردہ نعمتیں ہیں جن کا اظہار کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اللہ کریم قادر ہیں وہ اپنے پیارے بندوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو پورا بھی کر دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے وہ جسے چاہتے ہیں عطا کرتے ہیں۔

خواتین کا صفحہ

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما

ام فاران، راولپنڈی

نام ونسب:

آپؓ کا نام "اسماءؓ"، لقب "ذات النطاقین" تھا۔ والد ماجد حضرت ابوبکر صدیقؓ بن ابی قحافہ تھے اور والدہ کا نام قتلہ بنت عبدالعزیٰ تھا۔ حضرت اسماءؓ کے نانا قریش کے ایک نامور رئیس تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ، حضرت اسماءؓ کی سوتیلی بہن تھیں اور عمر میں ان سے چھوٹی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکرؓ اور حضرت اسماءؓ حقیقی بہن بھائی تھے۔ (تذکار صحابیات)

پیدائش اور قبول اسلام:

حضرت اسماء ہجرت سے ستائیس سال قبل مکہ معظمہ میں پیدا ہوئیں۔ چونکہ والد ماجد روزِ اوّل سے ہی نہایت اعلیٰ اوصاف اور پاکیزہ اخلاق کے حامل تھے اس لیے ان کے زیر سایہ ان کی تربیت نہایت ہی عمدہ ہوئی۔

قبول اسلام کے لحاظ سے بھی حضرت اسماءؓ کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔ "ابن اسحاق" کے مطابق السابقون الاولون کی صف میں ان کا اٹھارواں نمبر ہے۔

نکاح:

حضرت اسماءؓ کا نکاح حوارئ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زبیرؓ بن العوام سے ہوا جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ آپؓ حضرت صفیہؓ کے بیٹے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے حقیقی بھتیجے تھے۔

عام حالات:

مشرکین کی عداوت کا سامنا: نبوت کے چوتھے سال کے اوائل میں ہی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ تبلیغ کا آغاز فرمایا تو ساتھ ہی مشرکین کے قہر و غضب کا آغاز ہوگیا۔ حضرت اسماءؓ نے یہ دور اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

مسندِ ابو یعلیٰ میں روایت ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت اسماءؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھوں جو تکالیف پہنچیں آپؓ نے کون سی تکلیف زیادہ سخت پائی۔ حضرت اسماءؓ نے بیان کیا کہ

"ایک دن مشرکین مسجدِ حرام میں بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بڑھ بڑھ کر بول رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تشریف لے آئے۔ تمام مشرکین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھپٹ پڑے۔ وہ جگہ ہمارے گھر سے قریب تھی کسی نے آکر بتایا کہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پہ آمادہ ہیں تو حضرت ابوبکرؓ

بھاگ کر گئے۔ وہ کفار کو روک رہے تھے اور کہہ رہے تھے تمہارا ناس جائے تم ایسے آدمی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو یہ کہتا ہے اللہ میرا رب ہے۔ مشرکین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا اور حضرت ابوبکرؓ کو مارنے لگے حتیٰ کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ جب ان کو گھر کر اُٹھا کر لایا گیا تو زخموں کی وجہ سے یہ حالات تھی کہ سر کی جس بھی مینڈھی کو ہاتھ لگاتے بال جھڑ جاتے اور حضرت ابوبکرؓ کہہ رہے تھے "تَبَارَکْتَ یَاذَاالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام۔"

ہجرت:

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے مدینہ ہجرت کا قصد فرمایا تو حضرت ابوبکرؓ کو رفیقِ سفر بننے کا شرف حاصل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو تشریف لائے اور ہجرت کا خیال ظاہر فرمایا۔ حضرت اسماءؓ نے سفر کا سامان کیا۔ تین دن کا کھانا ایک تھیلے میں رکھا۔ اور ایک مشکیزے میں پانی ڈالا۔ اتفاق سے تھیلے کا منہ باندھنے کے لیے گھر میں کوئی رسی موجود نہ تھی۔ وقت کا ایک ایک لمحہ قیمتی تھا۔ گھر تشریف لا چکے تھے۔ اس لیے حضرت اسماء نے فوراً اپنا کمر بند (نطاق) کھول کر اس کے دو ٹکڑے کیے ایک سے کھانے کا تھیلا باندھا اور دوسرے سے پانی کا مشکیزہ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس خدمت سے اس قدر مسرور ہوئے کہ انہیں "ذات النطاقین" کا لقب عطا فرمایا۔ (بخاری، ج1، ص556-555)

بخاری شریف میں حضرت اسماءؓ کا اپنا بیان بھی یہی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی۔ حضرت عبداللہ بن عباس، ابن زبیرؓ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے۔ کہ ان کی ماں "ذات النطاق" ہے۔ گویا دونوں طرح سے یہ لقب بولا جاتا تھا۔

ہجرت کی صبح جب کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پہ نہ پایا تو ابوجہل اپنے منصوبے کی ناکامی پہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا اور سیدھا حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچا زور زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ حضرت اسماءؓ باہر تشریف لائیں تو ابوجہل نے کڑک کر پوچھا "لڑکی تیرا باپ کہاں ہے؟

انہوں نے جواب دیا: "میں کیا بتا سکتی ہوں؟

یہ سن کر ابوجہل نے ان کے منہ پہ اس قدر زور سے تھپڑ مارا کہ ان کے کان کی بالی ٹوٹ کر دور جا پڑی۔ لیکن حضرت اسماء بڑے ضبر اور خاموشی کے ساتھ گھر کے اندر چلی گئیں اور ابوجہل بکتا جھکتا رہا لیکن انہوں نے ہجرت کے راز کو اپنے دل میں محفوظ رکھا۔

سمجھداری و دانشمندی: ابوجہل چلا گیا تو حضرت ابوبکرؓ کے نابینا والد ابی قحافہ (جو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے) حضرت اسماءؓ سے مخاطب ہو کر بولے "بیٹی۔ ابوبکرؓ نے تمہیں دوہری مصیبت میں ڈالا ہے خود بھی چلا گیا اور سارا مال بھی ساتھ لے گیا۔" اور یہ درست بھی تھا کیونکہ واقعی حضرت ابوبکرؓ گھر میں رکھا تمام روپیہ ساتھ لے گئے تھے۔ لیکن حضرت اسماءؓ نے دانشمندی سے کام لیا اور ضعیف دادا کا دل توڑنا

مناسب نہ سمجھا اور کہا "وہ کثیر دولت چھوڑ گئے ہیں" جس طاقچے میں حضرت ابوبکرؓ کا مال رہتا تھا وہاں پتھر رکھ کر کپڑا ڈال دیا او رپھر ابوقحافہ کو پکڑ کر وہاں لے گئیں اور کہا "دادا جان! ہاتھ لگا کر دیکھ لیں، یہ رکھا ہے۔" ابوقحافہ کو اطمینان ہوگیا۔ "ابوبکرؓ نے اچھا کیا تمہارے لیے کافی انتظام کرگیا۔"

حضرت اسماءؓ کا اپنا بیان ہے کہ انہوں نے صرف دادا کی تسکین کے لیے ایسا کیا تھا ورنہ وہاں ایک حبہ بھی نہ تھا۔" (مسند ابن حنبل، ج2، ص350)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے اہل خانہ کو مدینہ بلوایا تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کے ہمراہ عبداللہؓ بن اریقط کو تین اونٹ دیئے اور ساتھ اپنے بیٹے عبداللہ کو بھیجا کہ اپنی بہنوں اور ماں کو مدینہ لے آؤ۔

چنانچہ حضرت اسماءؓ نے حضرت عائشہؓ اور ام رومانؓ کے ہمراہ ہجرت کی۔ (اصابہ ج، ص229، طبقات، ج1)

بیٹے کی ولادت: مدینہ منورہ آنے کے بعد کچھ عرصہ تک کسی مہاجر کے ہاں اولاد نہ ہوئی۔ یہود نے مشہور کردیا کہ یہ ان کے سحر کا نتیجہ ہے کہ تب ہی 1 ہجری میں حضرت اسماءؓ کو اللہ نے ایک فرزند عطا کیا۔ تمام مسلمانوں نے اظہار مسرت کیا اور نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔ حضرت اسماءؓ نومولود کو گود میں لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے کو اپنی گود میں لیا اور ایک کھجور اپنے دہن میں ڈال کر چبائی اور لعاب مبارک میں ملا کر عبداللہ کے منہ میں ڈالی۔ اور بچے کے لیے دعائے خیر و برکت کی۔ (بخاری، ج1، ص555)

ام المومنینؓ حضرت عائشہؓ نے اپنے انہی بھانجے کے نام پہ اپنی کنیت "ام عبداللہ" رکھی تھی۔

ماں پر اسلام کو فوقیت:

ایک مرتبہ ان کی ماں مدینہ میں آئیں اور ان سے روپیہ مانگا لیکن حضرت اسماءؓ نے انہیں گھر میں ٹھہرانا بھی گوارا نہ کیا جب تک کہ حضرت عائشہؓ کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت نہ کرلیا کہ "میری ماں مشرک ہیں میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔" (بخاری، ج2، ص884)

تنگ دستی میں مشقت:

قبا میں اقامت گزیں ہونے کے بعد حضرت اسماءؓ نے پہلے چند سال بڑی تنگی ترشی سے بسر کیے۔ اس زمانے میں ان کے شوہر حضرت زبیرؓ بہت مفلس تھے ان کی ساری متاع ایک گھوڑا اور ایک اونٹ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نخلستان بنونضیر میں کچھ زمین عطا فرمائی۔ یہ زمین مدینہ سے تین فرسخ دور تھی۔ حضرت اسماء روزانہ وہاں سے کھجور کی گٹھلیاں جمع کر کے لاتیں اور کوٹ کر اونٹ کو کھلاتیں اور گھوڑے کے لیے گھاس مہیا کرتیں۔ مشک سے پانی بھرتیں اور گھر کے دیگر کام کاج کرتیں۔ انہیں محنت و مشقت میں بالکل عار نہ تھا۔

ایک روز سر پر گٹھلیاں اُٹھا کر لا رہی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔ کچھ اصحاب

آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے اونٹ کو بٹھایا کہ سوار ہو جائیں لیکن ان کو شرم مانع ہوئی۔ گھر پہنچ کر یہ واقعہ حضرت زبیرؓ کو سنایا تو انہوں نے کہا۔ "سبحان اللہ! سر پہ بوجھ لادنے سے شرم نہ آئی۔"

کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک غلام دیا تو حضرت اسماء کی مصیبت کم ہوئی۔ بخاری شریف میں حضرت اسماءؓ کی مشقت خود ان ہی کی زبانی بیان ہے نیز یہ کہ وہ فرماتی ہیں "جب غلام آیا تو گویا ابوبکرؓ نے مجھ کو آزاد کر دیا۔" (بخاری ج2،ص756)

ناپ تول کر خرچ:

غربت کی وجہ سے شروع میں وہ جو بھی خرچ کرتیں ناپ تول کر خرچ کرتیں۔ حضور ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اسماءؓ ناپ تول کر مت خرچ کرو ورنہ اللہ بھی نپی تلی روزی دے گا۔"

حضرت اسماءؓ نے فوراً اپنی اس عادت سے توبہ کی اور اللہ کی قدرت سے حضرت زبیرؓ کی آمدنی بڑھنے لگی اور پھر وہ کبھی تنگ دست نہ ہوئیں۔ (مسند ج6،ص352)

آسودہ حالی اور فیاضی:

آسودہ حال ہوئیں تو فیاضی کو اپنا وطیرہ کر لیا۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو راہ خدا میں زیادہ سے زیادہ مال خرچ کرنے کا حکم دیا تو حضرت اسماء نے اپنی لونڈی کو فروخت کر دیا اور روپیہ سارا خیرات کر دیا۔ حضرت زبیرؓ کے مزاج میں قدرے سختی تھی۔ ایک دن حضور ﷺ سے دریافت کیا "کیا میں اپنے شوہر کے مال میں سے غریبوں اور یتیموں کو کچھ دے سکتی ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! دے سکتی ہو۔" (مسند ج6،ص353)

اپنے بچوں کو ہمیشہ تلقین کرتیں "مال جمع کرنے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ حاجت مندوں کی امداد کے لیے ہوتا ہے۔ اگر بخل کرو گے تو اللہ بھی تمہیں اپنے فضل و کرم سے محروم رکھے گا۔ ہاں! جو صدقہ کرو گے اور راہ خدا میں خرچ کرو گے، وہ تمہارے کام آئے گا۔ اس ذخیرہ کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں۔" (تذکار صحابیات)

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں سے بڑھ کر کسی کو فیاض نہیں دیکھا۔ اور ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے اپنی خالہ عائشہؓ اور والدہ اسماء سے زیادہ سخی او رکریم النفس کسی کو نہیں دیکھا۔ فرق یہ تھا حضرت عائشہؓ ذرا ذرا جوڑ کر جمع کرتیں جب کچھ رقم ہو جاتی تھی تو سب کی سب راہِ خدا میں لٹا دیتی تھیں اور حضرت اسماء جو کچھ پاتیں اسی وقت تقسیم کر دیتی تھیں"

حضرت اسماءؓ نے حضرت عائشہؓ کی وفات کے بعد ترکہ میں ایک جائیداد پائی تھی اس کو انہوں نے ایک لاکھ درہم پر فروخت کر دیا اور ساری رقم قاسم بن محمد اور ابن ابی عتیق میں تقسیم فرما دی کیونکہ وہ حاجت مند تھے اور ان کے قرابت دار تھے۔ (بخاری، باب ہبۃ الواحد للجماعۃ)

بیمار پڑتیں تو اپنے غلام آزاد کر دیتیں (خلاصہ تہذیب ص488)

خاوند کی تابعداری:

باوجود اس فیاضی کے حضرت اسماءؓ اپنے شوہر کے گھر بار کی حفاظت انتہائی دیانتداری سے کرتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت زبیرؓ کی غیر موجودگی میں ایک سوداگر آیا اور دروازے پہ کھڑے ہو کر یہ التجا کی کہ اپنے سایہ دیوار میں مجھے سودا بیچنے کی اجازت دیجئے۔ بولیں "اگر میں اجازت دے دوں اور زبیرؓ انکار کر دیں تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ تم زبیرؓ کی موجودگی میں پھر آنا اور اجازت طلب کرنا۔"

حضرت زبیرؓ گھر تشریف لائے تو سوداگر پھر آیا اور دروازے سے درخواست کی "اُم عبداللہؓ! میں مسکین آدمی ہوں آپؓ کی دیوار کے سائے میں کچھ سودا بیچنا چاہتا ہوں۔" بولیں "میرے گھر کے سوا تمہیں مدینہ میں اور کوئی گھر نہ ملا؟" حضرت زبیرؓ نے فرمایا "تمہارا کیا بگڑتا ہے جو ایک مسکین کو بیع وشراء سے روکتی ہو!"

حضرت اسماء نے فوراً اجازت دے دی کیونکہ دراصل ان کی منشا بھی یہی تھی لیکن وہ اپنے خاوند کی رضا کے بغیر اجازت نہیں دے سکتی تھیں۔

عبادت گزاری:

حضرت اسماءؓ بالطبع نیکی کی طرف مائل تھیں۔ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کسوف کی نماز پڑھا رہے تھے نماز کو بہت طول دیا تو حضرت اسماء کی ہمت جواب دینے لگی ان کے دائیں اور بائیں دو عورتیں کھڑی تھیں ایک فربہ اور دوسری لاغر تھی۔ یہ دیکھ کر انہوں نے اپنے دل کو تسلی دی کہ مجھے ان سے زیادہ کھڑا رہنا چاہئے لیکن چونکہ نماز کئی گھنٹے تک ہوئی حضرت اسماء کو غش آ گیا اور سر پہ پانی چھڑکنے کی نوبت آ گئی۔ (بخاری ج1 ص144)

حضرت اسماءؓ نے اپنی زندگی میں کئی حج کئے۔ صحیحین میں ہے کہ انہوں نے پہلا حج سرور عالم ﷺ کے ساتھ کیا تھا اور اس کی تمام تفصیل ان کو یاد تھی۔

حضور ﷺ کے وصال کے بعد ایک مرتبہ حج کے لیے گئیں اور مزدلفہ میں ٹھہریں تو رات کو نماز پڑھی۔ چاند ڈوبنے کے بعد رمی کے لیے گئیں اور پھر صبح کی نماز پڑھی۔ غلام جو ساتھ تھا اس نے کہا "آپؓ نے بڑی جلدی کی۔" تو فرمایا "حضور ﷺ نے پردہ نشینوں کو اس کی اجازت دی ہے۔ جب حجون سے گزرتیں تو فرماتیں "ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہاں ٹھہرے تھے۔ اس وقت ہمارے پاس بہت کم سامان تھا، ہم نے اور عائشہؓ اور زبیرؓ نے عمرہ کیا تھا۔" (بخاری ج1، ص227)

طلاق کا افسوسناک واقعہ:

طویل ازدواجی زندگی کے بعد حضرت اسماءؓ کو یہ افسوس ناک واقعہ پیش آیا کہ حضرت زبیرؓ بن العوام نے انہیں طلاق دے دی۔ مورخین نے مختلف وجوہ بیان کیں لیکن اصل سبب تو

اللہ ہی کو معلوم ہے۔

قیاس غالب یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ اور اسماءؓ کے مابین خانگی امور پر اختلاف پیدا ہوا۔ چونکہ حضرت زبیرؓ کے مزاج میں درشتی تھی انہوں نے غصے میں آ کر انہیں پیٹنا چاہا۔ اتفاق سے اس وقت ان کے بڑے فرزند حضرت عبداللہؓ گھر میں موجود تھے انہوں نے ماں کی مدد کرنا چاہی تو حضرت زبیرؓ نے دخل اندازی سے منع کیا کہ اگر اس کی حمایت کرو گے تو میری طرف سے اسے طلاق ہے۔ اس کے باوجود انہیں یہ گوارا نہ ہوا کہ ماں کو تشدد کا شکار ہوتا دیکھیں۔ آگے بڑھے اور حضرت زبیرؓ سے انہیں چھڑا لیا۔

اس کے بعد حضرت اسماءؓ اور زبیرؓ میں علیحدگی ہو گئی اور حضرت اسماءؓ مستقل طور پر حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہنے لگیں۔ وہ اپنی والدہ کے بہت فرمانبردار تھے اور زندگی کی آخری سانس تک والدہ کے کفیل رہے۔ (تذکار صحابیات)

حضرت اسماءؓ بہت فراخ دل تھیں۔ حضرت زبیرؓ سے علیحدگی کے بعد بھی وہ انہیں ہمیشہ عزت واحترام سے یاد کرتی تھیں اور ان کی خوبیوں کی مدح وتوصیف کیا کرتی تھیں۔

حضرت زبیرؓ کی شہادت:

36ھ میں "جنگ جمل" کا واقعہ پیش آیا، حضرت زبیرؓ، حضرت عائشہؓ کے پرجوش حامیوں میں تھے۔ لڑائی سے قبل حضرت علیؓ نے انہیں حضور ﷺ کا ایک ارشاد یاد دلایا تو میدان جنگ سے کنارہ کش ہو کر پلٹ گئے۔ واپسی پہ وادی سباع میں نماز پڑھ رہے تھے، سجدہ ریز ہوئے تو ایک شخص عمر بن جرموز نے انہیں شہید کر دیا۔ حضرت اسماءؓ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو انہیں سخت صدمہ پہنچا۔

درالمنشور میں حضرت زبیرؓ کی شہادت پہ کہے گئے چند اشعار بھی حضرت اسماءؓ سے منسوب ہیں۔ لیکن علامہ ابن اثیر کے مطابق یہ اشعار حضرت زبیرؓ کی ایک اور بیوی حضرت عاتکہؓ بنت زید بن عمر بن نفیل نے کہے ہیں جو شعروشاعری میں کافی درک رکھتی تھیں۔ اس کے برعکس حضرت اسماءؓ سے شعروشاعری کا شغف ثابت نہیں۔

بہرصورت اس پر تمام اہل سیر کو اتفاق ہے کہ حضرت زبیرؓ کی شہادت پر حضرت اسماءؓ نے سخت غم واندوہ کا اظہار کیا۔

ابن زبیرؓ کا اعلان خلافت: حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ نے گھٹی میں آنحضرت کا لعاب مبارک چاٹا تھا۔ جب سن شعور کو پہنچے تو فضائل اخلاق کا مجسم پیکر تھے۔ حضرت اسماءؓ اپنے سعادت مند بیٹے کے لیے ہمہ وقت دعا گو رہتیں ان کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ ابن زبیرؓ حق گوئی وشجاعت، زہد وتقویٰ، علم وفضل اور بے خوفی کی ایک زندہ مثال تھے۔

جب اموی فرمان روا یزید نے اپنی خلافت کی صدا بلند کی تو حضرت عبداللہؓ نے امام حسینؓ کی راہ کو اپنایا اور مرتے دم تک اس پیکرِ فسق وفجور کی بیعت نہ کی۔ اس کے بعد اس کے جانشینوں کے مقابلے میں ڈٹے رہے۔ 66ہجری میں عراق او

رحجاز وغیرہ کے لوگوں نے ان کی عظمت وجلالت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں متفقہ طور پر اپنا خلیفہ منتخب کرلیا۔ 73 ہجری تک انہوں نے مکہ معظمہ میں اپنا علم خلافت بلند رکھا۔

ان چھ سالوں میں انہوں نے بہ یک وقت دو محاذوں پہ استقامت سے مزاحمت کی۔ ایک طرف مختار بن ابی عبید ثقفی کی زبردست جمعیت تھی اور دوسری طرف بنوامیہ کی جابر قوت۔ وہ دونوں محاذوں پہ ڈٹ کر مقابلہ کرتے رہے۔ عبدالملک بن مروان مسندِ حکومت پہ بیٹھا تو اس نے تہیہ کرلیا کہ وہ عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کو ختم کر کے رہے گا۔ اس نے اپنی حکمت عملی سے بعض صوبوں پر قبضہ کرلیا اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سے مقابلہ کے لیے اپنے آزمودہ جرنیل حجاج بن یوسف ثقفی کو مقرر کیا۔

حجاج نے ایک زبردست شامی لشکر کے ساتھ یکم ذی الحجہ 72 ہجری کو مکہ مکرمہ کا محاصرہ کرلیا، جو چھ ماہ تک جاری رہا۔ حجاج نے محاصرے میں اس قدر سختی برتی کہ مکہ میں اناج کا ایک دانہ بھی نہ پہنچ سکتا تھا، اور بیت اللہ کی حرمت کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مسلسل کعبۃ اللہ پر پتھر برسائے۔ حضرت زبیرؓ نے استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس حال میں بھی بیت اللہ میں اس قدر انہماک سے نماز ادا کرتے کہ کبوتر آ کر ان کے کندھے پہ بیٹھ جاتے۔ لیکن ان کے بعض ساتھیوں حتیٰ کہ فرزندوں تک نے بے وفائی کی اور محاصرے کی شدت اور خوراک کی قلت سے تنگ آ کر حجاج بن یوسف سے جا ملے۔

لیکن اس 72 سال کے بوڑھے شیر نے بنوامیہ کے اقتدار کو قبول نہ کرنے کا عہد جان دے کر نبھایا۔

یہ حقیقت ہے کہ اگر ابن زبیرؓ کو حضرت امام حسینؓ جیسے جانثار رفقا مل جاتے تو وہ بنی امیہ کی سلطنت کا تختہ الٹ دیتے اور خلافت راشدہ کو دوبارہ زندہ کر دیتے۔

اس تمام اثناء میں حضرت اسماءؓ نے اپنے بیٹے سے بھی بڑھ کر بے خوفی اور صبر ورضا کا مظاہرہ کیا۔ وہ 30 ہجری یا 31 ہجری میں اپنے شوہر سے علیحدگی کے بعد سے مستقل طور پر اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس رہتی تھیں جوان کی بے حد تعظیم اور خدمت کرتے تھے۔ وہ ضعیف العمر تھیں لیکن حق پرستی اور استقامت کا پیکر تھیں۔ دوران محاصرہ وہ علیل تھیں کہ حضرت عبداللہؓ مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئے۔ گفتگو کے دوران حضرت عبداللہؓ کے منہ سے نکل گیا۔ "موت میں بڑی راحت ہے۔" بولیں "تمہیں شاید میرے مرنے کی آرزو ہے (کہ ضعیف العمری کے دکھوں سے نجات پاؤں) لیکن بیٹے میں تمہارا انجام دیکھ کر مرنا چاہتی ہوں کہ تم لڑ کر شہید ہو اور میں صبر کروں اپنے ہاتھوں سے تمہارا کفن دفن کروں اور یا تم کامیاب ہو اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔" ابن زبیرؓ ہنس کر چلے گئے۔

اس واقعہ کے دس دن بعد جب گنتی کے ساتھی رہ گئے تو وہ آخری بار حضرت اسماءؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"اماں جان! میرے ساتھیوں نے بے وفائی کی اب سوائے چند جانثاروں کے میرے ساتھ کوئی نہیں۔آپؓ کی کیا رائے ہے۔کہ صلح کرلوں۔اگر ہتھیار ڈال دوں تو ہوسکتا ہے کہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو امان مل جائے۔" حضرت اسماءؓ نے جواب دیا۔

"اے میرے فرزند! اگر تم حق پر ہو تو مردوں کی طرح لڑ کر رتبہ شہادت پر فائز ہوجاؤ اور کسی قسم کی ذلت نہ برداشت کرو اور اگر تمہارا یہ کھکھیڑ (ڈرامہ) دنیا طلبی کے لیے تھا تو تم سے بُرا شخص نہیں جس نے اپنی عاقبت بھی خراب کی اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈالا۔"

ایک دوسری روایت میں حضرت اسماء سے یہ الفاظ منسوب ہیں۔

"بیٹا! قتل کے خوف سے ہرگز کوئی ایسی شرط قبول نہ کرنا جس میں تم کو ذلت برداشت کرنی پڑے۔خدا کی قسم! عزت کے ساتھ تلوار کھا کر مرنا اس سے بہتر ہے کہ ذلت کے ساتھ کوڑے کی مار برداشت کی جائے۔"

عبداللہ بن زبیرؓ نے جواب دیا۔

"اماں جان! میں حق وصداقت کے ساتھ لڑا اور ساتھیوں کو لڑایا۔اب آپؓ سے رخصت ہونے آیا ہوں۔"

حضرت اسماءؓ نے فرمایا:

"اگر تم حق پر ہو تو حالات کی ناموافقت اور ساتھیوں کی بیوفائی کے سبب دشمنوں سے دب جانا شریفوں اور دینداروں کا شیوہ نہیں۔"

ابن زبیرؓ نے عرض کیا۔"اماں جان! میں موت سے نہیں ڈرتا۔صرف یہ خیال ہے کہ میری موت کے بعد دشمن میری لاش کا مثلہ کریں گے اور صلیب پر لٹکائیں گے جس سے آپؓ کو رنج ہوگا۔"

صدیق اکبرؓ کی جلیل القدر بیٹی نے فرمایا:

"بیٹے جب بکری ذبح کر ڈالی جائے تو پھر اس کی کھال کھینچی جائے یا اس کے جسم کے ٹکڑے کیے جائیں، اس کی کیا پروا؟ تم اللہ پر بھروسا کر کے اپنا کام کیے جاؤ۔راہ حق پر تلواروں سے قیمہ ہونا گمراہوں کی غلامی سے ہزار درجہ بہتر ہے، موت کے خوف سے غلامی کی ذلت کبھی قبول نہ کرنا۔"

ماں کے حوصلہ افزا کلمات سن کر ابن زبیرؓ پر رقت طاری ہوگئی اور فرطِ عقیدت سے والدہ کا سر چوم لیا اور کہا:

"میرا بھی یہی ارادہ تھا کہ راہِ حق میں مردانہ وار لڑ کر جان دے دوں لیکن آپؓ سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا تاکہ میرے مرنے کے بعد آپؓ رنج وغم نہ کریں۔الحمدللہ! میں نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ثابت قدم اور راضی بہ رضا پایا۔آپ کی باتوں نے میرا ایمان تازہ کردیا ہے آج میں ضرور قتل ہوجاؤں گا اور آپ یقیناً صبر وشکر سے کام لیں گی۔خدا کی قسم! میں سچ کہتا ہوں آج تک میں نے جو بھی کیا سب حق کی سربلندی کے لیے تھا۔میں نے کبھی برائی کو پسند نہیں کیا۔کسی مسلمان پر ظلم نہیں

کیا۔ کبھی بدعہدی و خیانت نہیں کی۔ اپنے عمال کا کڑا محاسبہ کیا۔ اپنی حدودِ خلافت میں جہاں تک ممکن ہوا عدل جاری کیا۔ لوگوں سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعمیل احکام کرائی۔ بخدا میں دین کے آگے دنیا کو ہیچ سمجھتا ہوں اور اللہ کی رضا کے سوا مجھے کچھ مطلوب نہیں۔'' پھر آسمان کی طرف نظر اُٹھائی اور کہا:

''الٰہی میں نے یہ باتیں فخر سے نہیں کہیں بلکہ اپنی والدہ کی تسکین اور اطمینان کے لیے کہی ہیں۔'' حضرت اسماء نے انہیں دعا دی۔

''بیٹے تم اللہ کی راہ میں جان دو۔ میں انشاء اللہ صابر وشاکر رہوں گی آگے بڑھو میں تمہیں آخری بار پیار کرلوں۔''

حضرت عبداللہ آگے بڑھے اور ضعیف العمر ماں نے انہیں سینے سے لگایا۔ اس وقت انہوں نے زرہ پہن رکھی تھی۔ حضرت اسماء کا ہاتھ زرہ پر پڑا تو پوچھا ''یہ تمہارے جسم پر کیا ہے؟'' عرض کیا ''دشمن سے بچاؤ کے لئے زرہ ہے۔'' حضرت اسماءؓ نے کہا ''اللہ کی راہ میں شہید ہونے کے لیے نکلتے ہو اور عارضی چیزوں کا سہارا لیتے ہو۔'' حضرت عبداللہ نے زرہ اتار پھینکی اور سفید رومال اپنے سر پر باندھ لیا۔ حضرت اسماءؓ نے کہا جاؤ اللہ کے لیے لڑو اور اسی لباس میں اس کے ہاں جاؤ۔''

حضرت عبداللہ نے تلوار نکالی اور رجز پڑھتے ہوئے وہاں سے نکلے سیدھے دشمن کی صفوں میں جا گھسے اور کافی دیر داد شجاعت دینے کے بعد زخموں سے چور چور اولوالعزم نواسہ صدیق اکبرؓ خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ حجاج نے ان کی لاش کو ابن حجون کے مقام پہ سولی پہ الٹا لٹکا دیا۔

ابن زبیرؓ کی شہادت کے ایک دو روز بعد عبداللہ ابن عمرؓ کا اِدھر سے گزر ہوا۔ سخت رنجیدہ ہوئے اور فرمایا: ''اے ابو خبیب اسلام علیک! میں نے تم کو اس (سیاست) میں پڑنے سے منع کیا تھا۔ تم نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے اور صلہ رحمی کرتے تھے۔''

شہادت کے تیسرے روز حضرت اسماءؓ اپنی کنیز کے سہارے وہاں تشریف لائیں۔ اتفاق سے حجاج بھی گشت پہ تھا۔ حضرت اسماءؓ کو لوگوں نے اس کی موجودگی کی اطلاع دی تو انہوں نے کہا: ''کیا اس سوار کے اترنے کا وقت نہیں آیا؟'' حجاج نے کہا ''وہ ملحد تھا اس کی یہی سزا ہے۔''

حضرت اسماءؓ تڑپ اٹھیں ''خدا کی قسم! وہ ملحد نہ تھا نمازی، روزہ دار اور متقی تھا۔'' حجاج نے کہا ''بڑھیا یہاں سے چلی جاؤ تمہاری عقل سٹھیا گئی ہے۔'' حضرت اسماءؓ نے بے باکی سے جواب دیا۔

''میری عقل نہیں سٹھیا گئی۔ خدا کی قسم میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سُنا کہ بنو ثقیف میں ایک کذاب اور ایک ظالم پیدا ہوگا سو کذاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا اور ظالم (سفاک) تُو ہے۔'' یہ حدیث سُن تو حجاج چپکا ہو رہا۔

ایک اور روایت کے مطابق حجاج نے جب سُنا کہ ابن عمرؓ

نے ابن زبیرؓ کی لاش کے پاس آکر تعریف کی تو اس نے لاش اتروا کر یہود کے قبرستان میں پھینکوادی۔ حضرت اسماءؓ کو بلا بھیجا۔ انہوں نے انکار کیا تو خود آیا اور کہا " کہیے میں نے دشمن خدا کے ساتھ کیا سلوک کیا؟"

حضرت اسماء بولیں " تو نے اس کی دنیا بگاڑی اور اس نے تیری عاقبت خراب کی۔ میں نے سنا ہے کہ تو اسے طنزاً ذات النطاقین کا بیٹا کہتا ہے خدا کی قسم! میں ذات النطاقین ہوں! میں نے لطاق سے آنحضرت ﷺ کا اور ابوبکرؓ کا کھانا باندھا اور دوسرے کو اپنی کمر میں لپیٹتی ہوں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے سنا۔" اور پھر انہوں نے بنی ثقیف کے ظالم اور کذاب کی حدیث بیان کی۔"

حضرت اسماء حجاج کی طرف سے مایوس لوٹیں کہ وہ ابن زبیرؓ کی لاش نہیں دے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ عروہ بن زبیرؓ جو ابن زبیرؓ کے بھائی تھے اور آخر تک ابن زبیرؓ کے ساتھ تھے ان کی شہادت کے بعد پوشیدہ طور پر عبدالملک کے پاس دمشق پہنچے اور مکہ کے حالات بیان کر کے لاش حوالے کرنے کی درخواست کی عبدالملک نے غضب آلود خط لکھا۔ کہ ابن زبیر کی لاش فوراً حضرت اسماء کے حوالے کی جائے تب اس نے لاش حوالے کی۔

ابن ابی ملکیہ کا بیان ہے کہ " میں ہی وہ پہلا شخص ہوں جس نے حضرت اسماء کو یہ بشارت دی۔ انہوں نے مجھے غسل کا حکم دیا۔ لاش کا جوڑ جوڑ الگ ہو چکا تھا۔ ہم ایک ایک حصہ بدن کو غسل دے کر کفن میں لپیٹتے جاتے۔" نماز جنازہ کے بعد ابن زبیرؓ کو مقام حجون میں دفن کیا گیا۔

وفات:

اس واقعہ کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ نے داعی اجل کو لبیک کہا یہ جمادی الاوّل 73ھ کا واقعہ ہے اس وقت ان کی عمر سو سال تھی۔

اولاد:

حسب ذیل اولاد ہوئی، عبداللہ، منذر، عروہ، مہاجر، خدیجہ الکبریٰ، ام الحسن اور عائشہ (طبری، ج 3، ص 3461) (الریاض النضرۃ 279)

حلیہ مبارک:

حضرت اسماء اگرچہ سو برس کی تھیں لیکن ایک بھی دانت نہیں گرا تھا۔ ہوش حواس اور یادداشت بالکل درست تھی۔ (اصابہ، ج 8، ص 8)

دراز قد اور لحیم شحیم تھیں، اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی تھی۔

(اسد الغابہ، ج 5، ص 393) (مسند، ج 6، ص 348)

فضل وکمال:

حضرت اسماءؓ نے 56 حدیثیں روایت کی ہیں صحیحین میں موجود ہیں۔

❋❋❋

بچوں کا صفحہ

قسط نمبر 12

خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ع خان، لاہور

بچو! ہم نے اس سے پہلے غزوۂ بدر کا واقعہ بیان کیا تھا۔ جو کہ ہجرت فرمانے کے دوسرے سال پیش آیا تھا۔ مزید آگے چلنے سے پہلے کیوں نہ آپ کو ہجرت کے ان پہلے دو سالوں میں پیش آنے والے اور اہم واقعات بھی بتاتے چلیں۔

ہجرت کا پہلا سال:

☆ ہجرت کے پہلے سال مسلمانوں پہ جہاد فرض ہوا، جس کی تڑپ مسلمانوں میں کب سے چلی آ رہی تھی۔

☆ اسی سال اذان کا آغاز ہوا اور سب سے پہلی اذان حضرت بلالؓ نے دی۔

☆ مہاجرین وانصار کے درمیان بھائی چارے کا معاملہ ہوا جو کہ پہلے بڑی تفصیل سے آپ کو بتایا تھا، یاد ہے۔

☆ جمعہ بھی اسی سال فرض ہوا۔

☆ چند سرایا ہوئے۔

☆ ایک اور بڑا پیارا واقعہ جو پیش آیا وہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہے، جو ہجرت کے پہلے سال ہوئی۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت غمزدہ رہے۔ پھر کچھ عرصہ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مبارک حضرت سودہؓ سے ہوئی۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح مبارک حضرت عائشہؓ سے ہوا۔ ہجرت فرمانے کے بعد، اسی سال آپؓ کی رخصتی ہوئی۔ درست تحقیق اور حقائق کے مطابق رخصتی مبارک کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر مبارک انیس (19) سال تھی۔ حضرت عائشہؓ کو پیار سے حمیرا کہہ کر بھی بلایا کرتے تھے، حمیرا کا مطلب ہے سرخ (کیونکہ آپؓ بہت سرخ وسفید تھیں)۔ حضرت عائشہؓ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کے حجرہ مبارک میں ہی روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ انبیاء کرامؑ وہیں دفن ہوتے ہیں جہاں اُن کا وصال ہوتا ہے۔

ہجرت کا دوسرا سال:

☆ ہجرت کے دوسرے سال غزوۂ بدر کا واقعہ ہوا۔

☆ چند اور غزوات وسرایا پیش آئے، جن میں غزوۂ سلیم، غزوہ سویق، غزوۂ عشیرہ، غزوۂ غطفان شامل ہیں۔

☆ اسی سال قبلہ شریف بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے تبدیل ہوا۔ پہلے مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ ایک دن دورانِ نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرائیلؑ قبلہ تبدیل ہونے کا حکم لے کر آئے اور نماز ہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا رخ مبارک بیت المقدس سے خانہ کعبہ کی طرف کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں باقی صحابہ کرامؓ نے بھی اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف کر لیا۔ ماشاءاللہ، صحابہ کرامؓ کتنے خوش قسمت لوگ تھے، اُن کے قلوب کس قدر خوبصورت تھے۔ کسی حکم پہ کیوں تو کہتے ہی نہیں تھے، بس فوراً عمل کرنے کی فکر کرتے تھے۔ وہ خوب جانتے تھے کہ دین اصل میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کو ماننے کا نام ہے، اس طرح جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیں گے یا کر کے دکھا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اُن جیسا بننے کی توفیق عطا فرمادیں، آمین۔

☆ اسی سال زکوٰۃ فرض ہوئی۔

☆ ہجرت کے دوسرے سال ہی رمضان کے روزے بھی فرض ہوئے۔

☆ رمضان کے آخر میں صدقۂ فطر واجب ہوا۔

☆ دونوں عیدوں کی نماز اور قربانی بھی اسی سال مقرر ہوئی۔

☆ بدر سے واپسی سے ایک دن پہلے آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی وفات ہوگئی۔

☆ حضرت رقیہؓ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد (ہجرت کے دوسرے ہی سال) نبی اکرم ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح مبارک حضرت عثمانؓ سے کیا۔ اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ ذی النورین کہلاتے ہیں۔

☆ غزوۂ بدر ہی کے بعد آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا۔

ہجرت کا تیسرا سال:

☆ چند بڑے اہم غزوات وسرایا پیش آئے۔ جن میں غزوۂ بنی قینقاع، غزوۂ اُحد، غزوۂ حمراء الاسد، سریہ رجیع اور غزوہ بنونضیر شامل ہیں۔

☆ اسی سال (چند شواہد کے مطابق ہجرت کے تیسرے سال اور چند شواہد کے مطابق ہجرت کے چوتھے سال) شراب کے حرام ہونے کا حکم آیا۔ اسلام میں شراب کا پینا، بنانا، بیچنا، ہر طرح کا کاروبار حرام ہے اس کا کاروبار یا استعمال شدید گناہ ہے۔

☆ ہجرت کے تیسرے سال حضرت امام حسنؓ کی پیدائش مبارک ہوئی۔ جبکہ ہجرت کے چوتھے سال حضرت امام حسینؓ کی پیدائش مبارک ہوئی۔

☆ اسی سال ماہ شعبان میں نبی اکرم ﷺ نے حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ فاروق سے نکاح مبارک فرمایا۔ حضرت حفصہؓ کے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا۔

گذشتہ سے پیوستہ

جامن

حکیم عبدالماجد اعوان، سرگودھا

امراض معدہ و جگر:۔ معدہ اور سینے میں جلن کی شکایت ہو اور کھٹی ڈکاریں آتی ہوں منہ کا ذائقہ کڑوا ہو ہاتھ اور پاؤں میں جلن ہو ان تمام تکالیف میں جامن کا استعمال انتہائی مفید ہے۔

گرم مزاج رکھنے والے افراد کیلئے جامن کا استعمال انتہائی موثر پایا گیا ہے۔ گرم مزاج والے افراد کے معدے اور جگر کو تقویت بخشتا ہے خون کے جوش کو کم کرتا ہے ہر قسم کے دستوں کو روکتا ہے معدے اور جگر کی گرمی کو ختم کرتا ہے۔ جن مریضوں کے معدے میں کیڑے پیدا ہو جائیں جامن کے استعمال سے وہ ختم ہو جاتے ہیں۔ اس کے کھانے سے بھوک پیدا ہوتی ہے۔ پھوڑے اور پھنسیاں نکلنا بند ہو جاتی ہیں۔

جامن کی کونپلوں کا جوشاندہ:۔ جامن کی کونپلوں کا جوشاندہ نظام انہضام کے خامروں کی افزائش میں اضافہ کرتا ہے۔ جو کہ جگر کے افعال کو متحرک کرتے ہیں قدیم اطباء جگر کے بڑھنے کی صورت میں جامن کا استعمال بکثرت کرواتے تھے۔ جدید ریسرچ میں جامن کو بلڈ کینسر (Blood Cancer) میں مفید پایا گیا ہے۔ جامن میں کیوں کہ آئرن کی مقدار موجود ہوتی ہے اسی لیے اس کے استعمال سے خون کے سرخ ذرات (Red Blood Cells) کی کمی کو دور کرتا ہے۔

سرکہ جامن:۔ جامن کے پانی سے تیار کیا ہوا سرکہ تلی کے ورم کے لیے انتہائی موثر اور ہاضمے کے عمل کو بھی تیز کرتا ہے۔ جامن کو درج ذیل مختلف امراض میں بھی مفید پایا گیا ہے۔

1۔ جامن آواز کو صاف کرتا ہے۔ بلغمی دست، دمہ، کھانسی میں مفید ہے

2۔ جامن کے پھول کو باریک پیس کر سونگھنے سے نکسیر کا خون بند ہو جاتا ہے۔

3۔ آگ کے جلنے سے اگر جلد کی رنگت سفید ہوگئی ہو تو جامن کے تازہ پتوں کا متاثرہ جگہ پر روزانہ لیپ کرنے سے سفید داغ ختم ہو جاتے ہیں۔

4۔ جامن کے خشک پتوں کو انتہائی باریک پیس کر مسوڑھوں پر ملنے سے مسوڑھے مضبوط ہو جاتے ہیں۔ (جاری ہے)

سامانی جیلہ

جناب ناظم اعلیٰ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا دورہ ساہیوال ضلع سرگودھا

مورخہ 29 نومبر 2013 بروز جمعہ کو جناب بھائی ملک عبدالقدیر اعوان صاحب ناظم اعلیٰ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا ساہیوال ضلع سرگودھا کا پروگرام ترتیب دیا گیا۔ تمام ساتھی پروگرام کی تیاری کے ساتھ ساتھ اس دن کا انتظار کرنے لگ گئے۔ آخرکار وہ خوش بخت ساعت آ پہنچی۔ بھائی جان مقررہ دن ساڑھے چار بجے ساہیوال تشریف لے آئے۔ تمام ساتھیوں نے والہانہ استقبال کیا۔ امیر جماعت ساہیوال جناب حاجی محمد ریاض صاحب نے پھولوں کے ہار پہنائے اور ساتھیوں نے پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں۔ بزرگ ساتھیوں نے بھائی جان سے مصافحہ فرمایا۔ دیگر معزز مہمانوں میں جناب محترم پرنسل صقارہ اکیڈمی ہیڈ ماسٹر حاجی محمد خان صاحب بھی بھائی جان کے ہمراہ تھے اس کے علاوہ سرگودھا سے صاحب مجاز حاجی شکیل قصوری صاحب، قاضی بشیر احمد صاحب، میانی سے عبدالماجد اعوان صاحب اور مہمان سرائے جھال چکیاں سے محترم نیامت صاحب بھی تشریف لائے۔

بعد از نماز مغرب بھائی جان مسجد میں تشریف لائے۔ پہلے تلاوت کلام پاک ہوئی۔ اس کے بعد آپ ﷺ کے حضور نذرانہ عقیدت پیش کیا گیا۔ پھر بھائی جان نے مرد و خواتین کے جم غفیر سے خطاب فرمایا جس کا لب لباب یہ تھا۔ دنیا کی زندگی کے چند لمحات ہیں جو گزر جائیں گے۔ حیات برزخیہ میں وہ کردار لاگو ہوگا جو بندہ نے اپنی زندگی میں اپنایا ہوگا۔ اعلیٰ کردار کے بہترین حامل وہ لوگ ہیں جنہوں نے صحبت نبوی ﷺ حاصل کی اور اپنے کردار کو اعلیٰ ترین انسانی صفات سے مزین کیا۔ ان کی زندگی کا ایک ایک عمل سونے سے جاگنے تک، کھانے سے پینے تک، اوڑھنے سے پہننے تک، تمام عبادات اور معمولات میں حکم محمد ﷺ کی پابندی میں گزرا اور اللہ جل شانہٗ نے ان کے ایک ایک لمحے کو رکوع و سجود ارشاد فرمایا۔ دیکھو میں اور آپ بھی اظہار محبت کرتے ہیں لیکن کیا میرے معمولات، میری گفتار، میرا انداز اس محبت کی گواہی دیتا ہے کہ ہم مسلمان ہیں؟ ہم! ہماری آبادیاں، ہمارے معاشرے اور ہمارا ملک اس اظہار محبت کی گواہی دیتا ہے۔ میں اس طاقت کا نہیں ہوں کہ اس جہاں کو بدل سکوں نہ آپ اس طاقت کے ہیں کہ اس جہان کو بدل دیں اور نہ ہم سے یہ سوال ہوگا کہ تم نے جہان کو کیوں نہیں بدلا۔ کیا سوال ہوگا؟ اس کارگاہ حیات میں جتنی فرصت تجھے عطا کی گئی تیرا کردار کیا رہا۔ کیا یہی مسلمانوں کے معاشرے ہوتے تھے جو آج ہیں۔ یہی عدل و انصاف ہوتا تھا دین اسلام کے تابع جو آج ہمارا ہو رہا ہے، کیا اس لئے یہ ملک قائم کیا گیا تھا؟ میں نہیں کہتا کہ میرے بدلنے سے یہ پورا ملک بدل جائے گا میں نہیں کہتا کہ اس محفل میں جتنے بندے بیٹھے ہیں ان کے بدلنے سے ملک بدل جائے گا۔ ہم اتنا تو عرض کر سکیں گے کہ یا اللہ جتنی دسترس تو نے مجھے عطا کی یا اللہ میں نے اس میں اپنی کوشش صرف کر دی۔

اس کے بعد بھائی صاحب نے عظمت صحابہ بیان کی۔ لطائف اور ذکر اللہ کے بارے میں بیان فرمایا۔ پھر تھوڑی دیر لطائف کروائے اور اس کے بعد رقت قلب سے دعا فرمائی۔ نماز عشاء کے بعد امیر جماعت حاجی محمد ریاض صاحب کے گھر واپس تشریف لائے اور کھانا تناول فرمایا۔ بعد ازاں بھائی جان واپس دارالعرفان تشریف لے گئے۔

***

وَلَقَدۡ یَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّکۡرِ فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّکِرٍ ○۲۲

ترجمہ: اور بلاشبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا تو کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے

اکرم التراجم

قدرت اللہ کمپنی کے تیار کردہ دیدہ زیب قرآن پاک

شیخ المکرّم امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کا تحریر کردہ آسان اور عام فہم زبان میں اردو ترجمہ

اب آپ ہماری ویب سائیٹ www.naqashbandiaowasia.com پر بھی پڑھ سکتے ہیں

شیخ المکرّم کے تازہ ترین بیانات ہر جمعہ کی شام ہماری ویب سائیٹ www.ourshelkh.org پر سن سکتے ہیں

منجانب: صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان ایڈمنسٹریٹر دارالعرفان منارہ 0543-562200

علم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج، اقبال کے شاہینوں کا مسکن، راولپنڈی بورڈ اور پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق ہے مسلسل دس سال راولپنڈی بورڈ سے

پوزیشن لینے والا واحد ادارہ

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

داخلہ جاری ہے

پری کیڈٹ تا ایف ایس سی

صقارہ سائنس کالج

پری میڈیکل، پری انجینئرنگ	داخلہ ایف ایس سی پارٹ 1	پری کیڈٹ اور آٹھویں جماعت
ہاسٹل کی سہولت بہترین ماحول	صحت افزاء مقام	شاندار مستقبل کے لئے نادر موقع

طلباء کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ چار گھنٹے رات ساڑھے دس بجے تک قابل اساتذہ کی نگرانی میں کوچنگ کا اہتمام

پرنسل حاجی محمد خان ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی، ایم ایڈ (ریٹائرڈ ڈائیگزیکٹو آفیسر محکمہ تعلیم گورنمنٹ آف پنجاب)

مزید معلومات کے لئے براہ راست رابطہ کریں۔ صقارہ سائنس کالج دارالعرفان، منارہ ڈاکخانہ نور پوری ضلع چکوال۔ فون نمبر: 0543-562222, 562200

FOR FEED BACK: SIQARIAH@SIQARIAHEDU.COM, SIQARAHEDU.COM
VICEPRINCIPL@SIQRAHEDU.COM , VISIT AT: WWW.SIQARAHEDU.COM

blessed. The only way by which we can attain all these blessings is to be associated with the blessed court of the Holy Prophet(S A W S) and obey him(SAWS) in every aspect of our lives. Never become heedless of Alla(SWT)'s remembrance(zikr) not even for a single moment. Forgetfulness and negligence on our part does not affect the Greatness of Allah(SWT) however, if Allah(SWT) stops His(SWT) blessings from us, we shall certainly be doomed.

Therefore, spend every moment and every breath in the remembrance of Allah-swt. Life is a continuous struggle and everyone should view it as such. May Allah(S W T) accept everyone's efforts! May Allah(SWT) give the strength to all believers to follow the path of truth! May Allah-swt give us the strength to be standfast on faith and die as true believers! May Allah(SWT) resurrect us with the people of the true faith on the Day of Judgment!

THE EXALTED ORDER AND THE SHAIKH'S STATUS

Translated Question and Answers of Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA were published in April & May, 2014. However the last question is being published now for our readers

Q: What is the role of an accomplished shaikh, and a seekers resolution and hard work, as well as of fate in acquiring the many branches of Wilayat(sainthood)

Ans: Allah(SWT)alone is the Owner of the entire universe. He (SWT) owns the creation and bestows blessings at His (SWT) will.

When a person builds a house, he plans to allocate a certain area for his living and decorates it well. Then he makes camfortable washrooms Now nobody can object to his decision that why he transformed a nice room into a washroom. He will say it is my house I can do whatever I feel like doing! If a man takes so much pride in his possessions, then Allah(S W T) owns all creation. He(SWT) too has complete control over everything. Nobody can raise objections. Everything is granted by Him(SWT). The acquisition of Wilayat is granted by His (SWT)Grace. However, this is a world of causes and effects and since we need power from the Power House so we will have to get connected to the Power House through some cable or medium. When the teachings of the Prophet (SAWS) are taught and propagated, there is a teacher involved and we learn from him. He in turn has learnt from someone and so on and so forth. The final teacher will be Prophet(SAWS.) These teachings are also a manifestation of Prophetic Barakaat(SAWS),and a true scholar is the one who himself learns this knowledge and passes it on. So a truly accomplished shaikh is the one who himself acquires the Barakaat of Prophe hood and transfers it into the hearts of others.

Every scholar is not a Sufi(saint) but every Sufi is a scholar. so these accomplished shaikhs are also from amongst the scholars and their course of action is to receive the Barakaat from the Exalted Court of Prophet(SAWS) and convey it to the seekers. All the seekers are not alike. They have their own capacity to acquire these Barakaat. This capacity is generated by the purity of intention and strength behind his resolution to seek Allah's(SWT) pleasure.

may go through difficult times,they remain calm as they are associated with Allah(SWT) and His(SWT) blessings. Whereas the disbelievers and disobedient stray alone in the darkness of their turbulent lives , and the hardships they face are in reality punishments while on the other hand, for a believer worldly hardships are a source of further elevation of the spiritual stations.

Attainment of the afore mentioned level of trust in Allah(SWT) is the desired aim for a believer and level of Trust in Allah-swt and of His(SWT) Love and cognition varies with individuals.Often people tend to believe in something after observing signs and proofs, for instance if they observe smoke rising from a place they will assume that there is fire. Another level of trust is to eye witness the fire and this level of conviction is called ain ul yaqeen or that level of conviction which one acquires after seeing something with his very own eyes. Yet another level of conviction which is even stronger than the one attained through seeing, is the level that will be attained,as in this case ,after personally experiencing the power and heat of the fire, it is referred to as Haq ul Yaqeen or the Reality of conviction. Haq ul Yaqeen is achieved after experiencing the feelings associated with a particular situation . Observation of the smooth functioning of such a vast and complex system of life generates the trust that there certainly a Creator of everything and when this trust is complemented with belief in Allah's Message and association with the Holy Prophet(SAWS),then the minimal level of conviction which it affords to a believer is that he begins to believe and trust the sayings of the Holy Prophet(SAWS) and this level is called Ilm ul Yaqeen, Conviction in knowledge. We as human beings can err in our perceptions and observations even if we behold it with our eyes but what our Prophet(SAWS)tells us can never be wrong.

However, this level of certainty(ilm ul yaqeen,i.e conviction of knowledge(can only be elevated to the level of Haq ul Yaqeen(i.e conviction of reality) when a believer attains the spiritual blessings(barkaat) and the divine lights from the blessed court of the Holy Prophet(SAWS).

It is very important to attain a certain level of conviction as it is the basis of obedience to Allah(SWT),the conviction of the Greatness of Allah(SWT) is co related to the level of trust in Him(SWT).A decline in the level of trust in Him denotes a decreasing level of faith in His Magnificience and results in an increasing reliance on worldly means. This is a very delicate and sensitive issue, because adopting permissible means in this world is commanded by Allah(SWT) yet relying on them is not allowed.It has to be understood that the Creator of all the resources is Allah and He is the real Benefactor.Similarly results of deeds are also determined by the beneficence and mercy of Allah(SWT).

So my brothers, this lifelong struggle for Allah(SWT) and His-swt obedience is in fact a great blessing, and we all should try to dedicate our lives to this noble work. Obedience to Allah(SWT) invokes blessings from Allah(SWT) both in this world and in the Hereafter. As a result,life in this world becomes peaceful and free of all kinds of stress.We live with a calm and satisfied heart,while the life after death too becomes beautiful and

The Stride towards Allah-swt

Translated speech of his eminence Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA

8 September 2013

FromPreviousMonth

The role of the Holy Prophet (SAWS) and all the Prophets(AS) was to enable the believers to perceive, witness and experience the eternal realities in this worldly life, which the disbelievers too, shall witness but only upon death, or on the Day of Judgment.

Believing in the unseen is a primary requirement of faith because the realities which we are commanded to .believe in,cannot be seen with the physical eye in this mortal world. This is why it is so important to trust the words of Allah (SWT) and the Holy Prophet (SAWS) and is the primary requirement for salvation in the next world. Whoever has the solemn belief that Allah(SWT) is the sole Creator of the trillions of cells of the human body and how the functioning of every organ contributes to the smooth functioning of the entire body will lead him into a complete submission to Allah-swt. The world's population today is approximately six billion which suggests that a human body is far more diversified than the entire world in terms of intricacy and delicateness. The cognition of Allah(SWT)'s Magnificience which is evident from His creativity compels a person to His obedience. As a dutiful citizen we try our best to perform well at work for which we receive a cartain amount of salary. We comply with the rules and regulations of the work place because we know that we will receive a salary in return. In cases where we are unable to attend the office, we usually send an application beforehand, so as to request permission for absence from work.If a similar conviction is developed with Allah's Nearness that it is the source of all blessings (worldly and eternal,) would that not compel us to put all our efforts in pleasing and obeying Him (SWT) and attaining His(SWT) Nearness

The only reason behind our slackness in worship,our negligence in praying and zikr, is because we have not attained the required and essential level of Allah's cognition. Allah(S W T) has blessed the believers with leniency in cases of sickness or other restraining situations. For example, if someone misses a prayer due to sickness or some inevitable situation, Allah(S W T .) has granted the concession that he can offer it later as soon as he gets the opportunity and this endorses the absolute importance of prayers. In reality every prayer and every worship, whether it is obligatory or supplementary, has a significance and importance because it is a part of the continuous struggle towards Allah(SWT) it signifies how important it is. to brighten up each moment of one's life with the Love of Allah(SWT) because the believers are continuously showered with His(SWT) blessings and although they

Qasr Salah

Spiritually, Hazrat Ji-rua handed over this Jama'at to Sultan al Hind Hazrat Muinuddin Chishti rua. In one letter he wrote',This Jama'at is under the care of Sultan al Hind rua he is extending every possible spiritual help. He participates in all your Zikr sessions and gives spiritual attention.

In another letter he wrote:

You, along with the rest of the Jama'at have been handed over to Sultan al Hind Hazrat Muinuddin Chishti rua for Tawajjuh. I spoke to the Masha'ikh in Barzakh, who told me not to worry' :Our Tawajjuh is on them .' Sultan al Hind specifically stated' :As long as this Jama'at is in this country it is my personal Jama'at. Please do not be concerned at all :'Hazrat Sahib himself (Hazrat Sultan al Arifeen Khawajah Allah Din Madni rua) said, 'My attention is fully focused on them'.

In another letter Hazrat Ji rua expressed the consolation offered by Hazrat Sultan al Hind rua in. these words:

'As long as the members of this Jama'at are in Hindustan, they are my spiritual children they are my Jama'at. I look after them personally, I regularly participate in their practices sometimes I give them spiritual attention from my station'.

Hazrat Ji rua was consistently kept abreast of the Sathis' spiritual affairs and he would guide through his letters when someone was to be conducted to a higher station. In one of his letters Hazrat Ji rua gave Major Ahsan Baig his permission:

If you find any Sathi capable, conduct him to Salik al Majzoobi and also to the Maraqbah of Mootu. And if you find greater capability in someone take him to the Higher Stations up to the Masjid. Do not take him any further'.

In another letter he gave permission:

Conduct Major Rasheed Sahib to Salik al Majzoobi and also to the Maraqbah of Mootu. If you see him completely following the outward aspect of Shari'ah, then take to the Higher Stations, up to the Masjid e Noor.

Hazrat Ji rua also stipulated that no Sathi, who has a short beard be conducted to Fana fir Rasool saws, as the Holy Prophet saws feels displeased with him(Hazrat Ji rua.)

With Hazrat Ji rua's permission, Colonel Matloob Husain started translating Dalael us Sulook into English in September1972 while he was interred in the Camp: The translation was written minutely on small slips of paper, concealed in the turn-ups of trousers and sent to Pakistan through various Ahbab.

These Ahbab of Camp 93 were extremely fortunate that they were constantly under the Tawajjuh of Hazrat Ji rua, Sultan al Hind rua and the Masha'ikh. Hazrat Ji rua would reply individually to the Ahbab's letters but would include the mention of the other Ahbab, and in this manner all the Jama'at would receive his attention and affection. The significance granted by Hazrat Ji rua to this correspondence can be realized by a fact mentioned in one of his letters, that in the last two months he had posted twenty eight letters.

(To be Continued)

Some of the Ahbab, in their haste had arrived in their uniforms and when the train departed, these uniformed Ahbab ran alongside it for a long distance and their tearful eyes watched it disappearing into the distant horizon.

This chapter about the spread of the Silsilah among the Pakistan Armed Forces cannot be complete without mentioning the Prisoner of War camps in India and the 1975 Staff College course.

Under the Protection of Sultan al Hind rua Major Ahsan Beg was posted to Kushtia (erstwhile East Pakistan) in early December 1971 .After the 1971 War, as he was being moved to India, he seriously reflected upon making his escape. He did an Istikhara and saw a group of Ahbab in a Masjid busy with their religious studies. This was an indication for him to remain with the Ahbab and make an effort for their religious instruction.

Luckily, he also had on him a copy of Dalael us Sulook. At the Indian cantonment Gaya's Camp number 93 when various officers had the opportunity to study it attentively, Hazrat Ji rua's message settled in their hearts, and a large number of officers started doing the collective Zikr. Under the desperate conditions of incarceration, peace and tranquillity was restored to their hearts and minds, they were rewarded with (spiritual) feelings and some were granted strong spiritual visions. One of the spiritual seers was Major Rasheed. He would spiritually see past events during the recitation of the Holy Quran while reading Surah Anfaal, the scene of the Battle of Badr would become visible the story of the Dwellers of the Cave, the meeting between Hazrat Musa as and Hazrat Khizar rua, would be revealed onto his Qalb. When the Prisoners of War were allowed to send letters to Pakistan, he started a correspondence with Hazrat Ji rua and in this way he received direct Tawajjuh from Hazrat Ji rua through his letters.

Once Major Rasheed saw Hazrat Ji rua through Kashf and he was surprised to note that the hair on his right arm were totally white, whereas the hair on his left arm were mostly black. He wrote to Hazrat Ji rua about his vision and he rua wrote back'The hair on my right side are in fact white. In the month of June, I was lying in (spiritual) absorption in the jungle from morning to evening in the hot sun and that caused a paralytic stroke, but the Holy Prophet saws moved his hand over it and I recovered within three days. However, the hair on the right side turned white'.

Along with imparting spiritual teaching through his Tawajjuh Hazrat Ji-rau would also guide and solve the various Fiqhi problems faced in the Camps. In one letter, he was asked about the performance of the Jum'ah and the Qasr(shortened) Salah during captivity. He replied:

'In conditions of confinement, Jum'ah Salah is not Farz(compulsory.) However, if it is offered, it would be considered as correct. But the(normal) Salah should be offered completely, four Rakah, not two. Qasr Salah is allowed only for those soldiers, who enter the country of the Kuffaar, in a 'journey' state, and do not know if they will remain in one place for 15days. You, on the other hand, are stationed in India and are sure that your internment will last longer than 15days, then what is the occasion for(offering)

Hayat-e-Javidan Chapter 21

A Life Eternal (Translation)

From Previous Month

Ghaus was put to a severe trial in 1972 because of Zikr and his beard. He had only been married for a short time when his wife went to stay with her parents and everyone unanimously resolved that she would not return to her home till Ghaus shaved his beard. His commanding officer also sent him on leave with the instruction to not return to the unit without shaving his beard off. Meanwhile in Lahore, as he was grooming his beard, his sister snatched away the scissors and cut off his beard. This saddened him, but then Shaitan whispered to him,'This is what the world is also demanding of you, so go now and bring your wife back'.He went to the railway station to see off his sister and fell from the moving train getting wedged between the platform and the rail track. The train passed by him but Allah swt saved him. One Sathi gifted with Kashf placed this incident before Hazrat Data Ganj Bakhsh rua and his reply was':Allah swt is able to stop him from reaching those for whose sake he tried to displease Him swt and the same Allah swt, for whose sake he clashed with the world, is also able to deliver him from the clutches of death'.

Ghaus replied that he had understood and then sometime later this marriage ended in a divorce. Hazrat Ji rua received the news of the accident during the 1972 Munara Ijtema' and he spoke to the Masha'ikh, who answered,'We are in the know'.

These gentlemen were so fortunate that when they encountered any trial on the Path, they received the Tawajjuh from Hazrat Ji rua their affair was presented before the Masha'ikh, and were blessed with special prayers. Ghaus, to this day, believes that after the cutting of his beard had he reconciled to the circumstances, he would have lost his beard, as well as the blessing to do Zikr. He had the honour of forming the first Zikr circles in Okara and Gujranwalla cantonments, but there can be no comparison to the level of work he did in 1975,in the Staff College Quetta.

Qadri Sahib was posted to Jhelum in 1970.Zikr circles were established in various units in the environs of Jhelum and Azad Kashmir: Barnala, Awan Sharif, Jalalpur Jattan and Bhimber. In Jhelum Master Ghulam Rasool started Zikr and led to the establishment of a Zikr circle among the civil population through Ahbab from the army.

In February 1971 ,when Hazrat Ji rua returned after performing Hajj, the news spread among the units in Jhelum and around that area. The Ahbab from Bhimber had the good fortune of travelling in Hazrat Ji rua's company from Wazirabad to Jhelum. There was a great following of Ahbab waiting at the Jhelum railway station.

Shawal 1435h August 2014

ماہنامہ المرشد

اللہ
اِسم
محمد

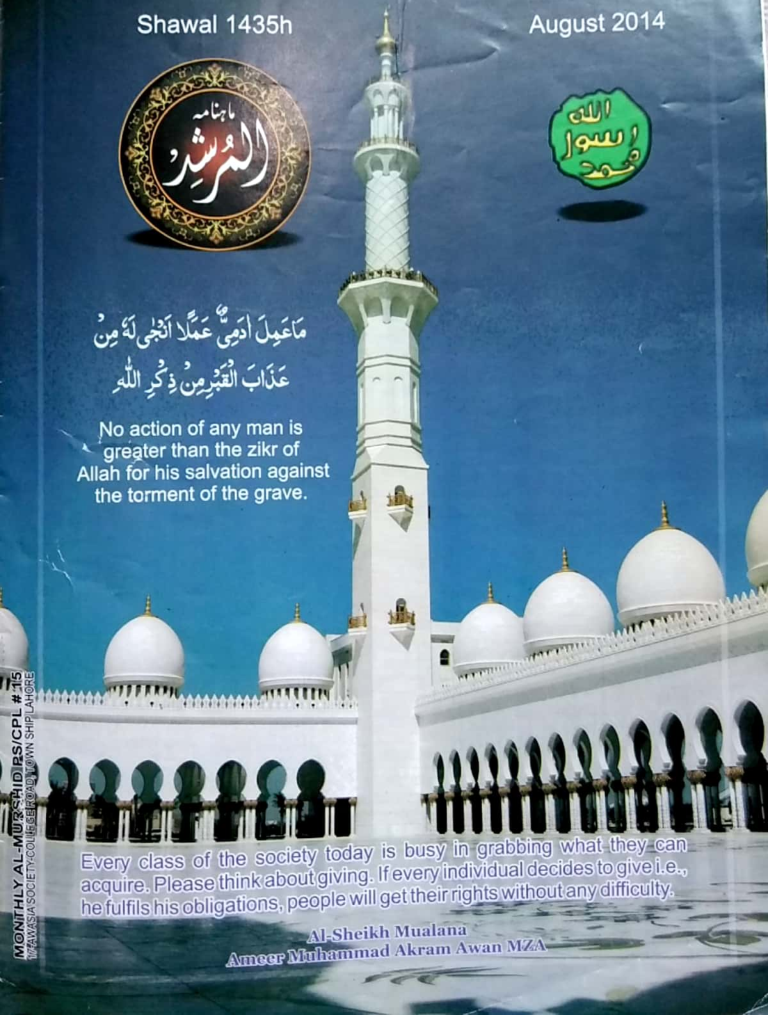

مَاعَمِلَ اٰدمِیٌّ عَمَلًا اَنْجٰی لَہٗ مِنْ
عَذَابَ الْقَبْرِمِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ

No action of any man is greater than the zikr of Allah for his salvation against the torment of the grave.

Every class of the society today is busy in grabbing what they can acquire. Please think about giving. If every individual decides to give i.e., he fulfils his obligations, people will get their rights without any difficulty.

Al-Sheikh Mualana
Ameer Muhammad Akram Awan MZA

MONTHLY AL-MURSHID PS/CPL # 15
17-AWASIA SOCIETY COLLEGE ROAD, TOWN SHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255